مصنف و مترجم کلام فلک، پیام فلک، جام فلک، مسدس فلک، مخمس فلک، آئینہ فلک، دھرمی ہرتی ستک۔ تربیت اطفال۔ دولت پیدا کرنے کا ڈھنگ۔ حالات گوکھلے، خیالات لاجپت، خیالات دادا بھائی۔ ہندوستان کی کہانی وغیرہ

جسے

ویاس پستکالہ لاہور نے

چاپخانہ تسلیم پریس لاہور میں باہتمام لالہ ایشر داس پرنٹر دوسری مرتبہ چھپوا کر شائع کیا۔

قیمت ۱۲ ار

نذر

جیلخانہ کی کہانی

نامی

اپنی دل ابھارنیوالی اور حوصلہ بڑھانیوالی تالیف

کو

میں دلی خلوص اور محبت کیساتھ

اپنے

جیل کے دوست شریمان بھائی نشا سنگھ جی کویشر

(جن کے ساتھ مجھے ہزاری باغ سنٹرل جیل میں دیش ہت کے جرم میں قید کاٹتے
ہوئے لگاؤ پیدا ہوا جنکی ذات خوش صفات کے طفیل جیلخانہ میں بھی محفل شعر و سخن کا
لطف حاصل ہوتا رہتا تھا اور جن کے پریم بھرے گیتوں اور قومی رنگ میں ڈوبی ہوئی
پنجابی نظموں کی دلکش صدا اب بھی میرے کانوں میں گونج اٹھتی ہے)

کی

مبارک خدمتمیں بطور نذر پیش کرتا ہوں۔

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

اگست سنہ ۱۹۲۱ء

(لال چند فلک)

پولیٹیکل قیدی

سب کو تقصیر پہ چکّی کی سزا ملتی ہے — قیدیِ ملک کو بے جرم و خطا ملتی ہے
دھوپ ملتی ہے۔ نہ آزاد ہوا ملتی ہے — کھا کے دل تنگ ہو جس سے وہ غذا ملتی ہے

دن ہو یا رات اسے بولنے کا حکم نہیں
لب ہلانے کا زباں کھولنے کا حکم نہیں

سختیاں اس پہ ہیں آنے کیلئے گرمی میں — مکھی مچھر ہیں ستانے کیلئے گرمی میں
فرش چونے کا جلانے کیلئے گرمی میں — گرم کمبل ہیں بچھانے کیلئے گرمی میں

بدتر از مرگ ہے جولائی میں جینا اس کا
خون ہوتا ہے ستمبر میں پسینا اس کا

حیف اسکی کوئی فریاد نہیں سنتا ہے — درد و آہِ دلِ ناشاد نہیں سنتا ہے
نالۂ صید کو صیاد نہیں سنتا ہے — عرضِ مظلوم کو جلاد نہیں سنتا ہے

اثر اندوز ہوا کرتا ہے نالہ اُلٹا
"رحم کی جا اسے آجاتا ہے غصہ اُلٹا"

وارڈر اسکو جھڑک دیتا کبھی دھمکاتا ہے — چکیاں زور سے اور جبر سے پسواتا ہے
جو نہ پیسے تو وہ مُکّا اسے دکھلاتا ہے — گالی گفتہ پہ کبھی غصہ میں اتر آتا ہے

افسروں سے جو ہو شاکی تو سزا دیتے ہیں
بیڑیاں ڈالتے ہیں بید لگا دیتے ہیں۔

چور ڈاکو نہیں بھارت کا نگہباں ہے یہ — ہند ماتا کی شفا ولاد ہندستان ہے یہ
قوم اور ملک پہ سو جان سے قربان ہے یہ — سود و بہبودِ وطن کیلئے حیران ہے یہ

اس پہ یہ جور و جفا عدل کے شایاں ہی نہیں
ظلم ڈھائے جو فلک اس پہ وہ انساں ہی نہیں

دیباچہ

ہر قسم کے مجرموں سے پولٹیکل قیدی خطرناک معزز اور بدنصیب ہیں۔ خطرناک اس لئے کہ وہ ایسے بہادر ہوتے ہیں جنہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں ڈرا سکتی۔ حاکم وقت کے خلاف زبان قلم اور ضرورت ہو تو ہاتھ پیر سے بھی مقابلہ کرتے ہیں جب وہ کوئی ظلم ہوتا دیکھتے ہیں۔ تو وہ رہ نہیں سکتے۔ جب کوئی کمزور ستایا جاتا ہے۔ تو ان کو تکلیف ہوتی ہے اور اکثر ایسے ہی لوگ ظالموں کے ظلم۔ زبردستوں کی زبردستی کا خاتمہ کرتے ہیں پس اُن سے زیادہ اور کون خطرناک ہو سکتا ہے ؟

معزز اس لئے ہیں کہ وہ ہرگز کسی جرم کے مجرم نہیں ہوتے۔ اُن پر جو کچھ الزام لگایا جاتا ہے۔ یا جرم ثابت کیا جاتا ہے سراسر بہتان ہوتا ہے۔ وہ وہی کرتے ہیں۔ جو ایک ایماندار خداترس محب قوم کیا کرتا ہے۔ اور کرنا فرض جانتا ہے۔ اس ہی جیلے اور بہانے کی آڑ میں زبردست جو وقت کے حاکم ہوتے ہیں ان کو سزا دیتے ہیں۔

پولٹیکل ملزموں پر اگر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ باغی ہیں۔ اور حاکم وقت کی حکومت نہیں مانتے تو ہم خیال کرتے ہیں کہ اس طرح کوئی بھی بادشاہ باغی ثابت ہونے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پہلے ہندوستان میں پرتھی راج کا راج تھا۔ ایک مسلمان بادشاہ نے اس پر حملہ کیا کیا اس نے قانوناً قائم شدہ حکومت کے قانون کی خلاف ورزی نہیں کی؟ کیا اُسے کوئی حق حاصل تھا کیوں اس کو باغی نہ قرار دیا گیا! اس لئے اور صرف اس لئے کہ وہ زبردست تھا۔ آخر شہاب الدین نے پرتھی راج کو مغلوب کر لیا۔ اور وہ گرفتار ہو گیا۔

اچھا مثال کے طور پر آگے بڑھو مسلمانوں سے انگریزوں نے حکومت لی یہ بھی بادشاہ وقت سے لڑے۔ مقابلہ پر آئے۔ یہاں تو صرف سوداگری کو آئے تھے۔ یہ حکومت کیوں لے لی؟ کیا اسے بغاوت کہا جائیگا! ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں! تو کیا وجہ ہے۔ کہ جو شخص اپنی آزادی یا اپنے آرام کے لئے زبردستی۔ مکاری یا نرمی سے کوئی چیز کسی سے

پہلے تو اُسے باغی کہا جائے! دنیا کا قاعدہ بھلا اور ممکن ہے کہ روحانی قانون اس سے علیحدہ ہوں کہ کمزور کا فعل بُرا اور زبردست کا اچھا شمار ہوگا۔ پس دنیوی نقطہ خیال سے ایمانداری ہے تو زور انصاف ہے تو زور نیکی ہے تو زور۔ قانون ہے تو زور۔ غرض سب عمدہ گنوں کی جڑ زور ہے۔

اور بے ایمانی ہے تو کمزوری۔ عیب ہے تو کمزوری۔ ناانصافی ہے تو کمزوری۔ بدی ہے تو کمزوری۔ غرض تمام برائیوں کی جڑ اگر کچھ ہے تو کمزوری ہے یہی کمزوری حاکموں کے ہم مرتبہ لوگوں کو باغی کا خطاب دلا دیا کرتی ہے۔

وہ بدنصیب اس لیے اور محض اس لیے ہیں۔ کہ ان کو زبردست مخالف سے کام پڑتا ہے۔ اور اُن کا انصاف ان کے مدعی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ انصاف دو شخصوں میں تیسرا شخص کر سکتا ہے۔ مگر مدعی کا انصاف، مدعا علیہ اور مدعا علیہ کا مدعی ہرگز نہیں کر سکتا لیکن پولیٹیکل قیدیوں کو اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے ہی انصاف لینے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اور اس لئے وہ سب سے زیادہ بدنصیب ہیں۔ کیونکہ ان کو کوئی امید انصاف کی نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ چھوڑ دئے جائیں۔ تو یہ دوسری بات ہے لیکن مخالف کی اس میں کوئی غرض اور مصلحت ہوگی۔ وہ بے جرم اس لئے ہیں۔ کہ جیسا جسم زبردست سزا دینے والے کا ہوتا ہے۔ ویسا ہی کمزور سزا پانیوالے کا بھی ہوتا ہے۔ جس طرح وہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھی اسی طرح جنم لیتا ہے۔ جس طرح ایک مرتا ہے۔ دوسرا بھی بعینہٖ اسی طرح مرتا ہے۔ اگر ایک شخص اپنے ملک یا قوم کی بہتری کی آرزو رکھ سکتا ہے۔ تو دوسرا بھی ویسی ہی خواہش کر سکتا ہے یا کوشش کر سکتا ہے۔ اگر ایک اپنے عیش و آرام کے لئے جدوجہد کر سکتا ہے۔ تو ضرور دوسرا شخص ویسا ہی کر سکتا ہے لیکن ہر پھر کر طاقت اور قدرت کا ہی سوال آجاتا ہے۔ پولیٹیکل قیدی چونکہ حب قوم اور حب وطن جیسی نیک صفات کے لئے سزا پاتے ہیں۔ اس لئے وہ مجرم نہیں ہیں کیونکہ جرم ایسے فعل کے ارتکاب کو کہتے ہیں جس کا شمار صفات حمیدہ میں نہ ہو سکے۔

اس لئے پولیٹیکل قیدیوں کے ساتھ وہی سلوک ہونا چاہیے۔ جو معزز اور ایماندار

آدمیوں کے ساتھ ہونا واجب ہے۔ سب ملکوں میں پولیٹیکل قیدیوں سے عام جرائم
پیشہ لوگوں کی نسبت نہایت شریفانہ سلوک ہوتا ہے۔

مگر بدقسمتی سے ہمارے ملک میں پولیٹیکل قیدیوں کو عام جرائم پیشہ قیدیوں سے
بھی بدتر سمجھا جاتا ہے۔ یوں تو ہمارے ملک کے عام قیدیوں سے بھی ایسا سخت سلوک
ہوتا ہے۔ کہ دنیا کے کسی ملک میں قیدیوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ مگر پولیٹیکل قیدیوں
پر ان سے زیادہ سختی روا رکھی جاتی ہے۔ پھر پنجاب کے جیلوں میں جہاں تک ہمیں
تجربہ ہوا ہے۔ باقی ماندہ صوبوں کی نسبت زیادہ سخت سلوک کیا جاتا ہے۔ کپڑا
تو خیر مگر کھانا نہایت ہی خراب ہوتا ہے۔ ایک وقت موٹھ کی دال۔ اور ایک وقت
گھاس سے بدتر سبزی کھانے کو دی جاتی ہے۔ روٹی کچی اور خراب ترین اناج کی
ہوتی ہے۔ جو ارزاں سے ارزاں ہوتا ہے۔ لکڑی چونکہ کم ملتی ہے۔ یعنی فی خوراک کچھ
چھٹانک اس لئے روٹی پورے طور پر پکائی نہیں جاتی۔ اور کچھ اس لئے بھی نہیں
سینکی جاتی کہ رسد کم ملتی ہے اور سینکنے سے وزن گھٹ جاتا ہے۔ دال اور گھاس
سے بدتر سبزی میں کوئی مصالحہ یا چکنائی نہیں ہوتی۔ دی ضرور جاتی ہے۔ مگر سب اوپر
ہی اوپر خورد برد ہو جاتی ہے۔ اور قیدی کچھ نہیں پا سکتے۔

اس قسم کی دال گھاس اور روٹی ہمارے ہر طبقہ کے لوگوں کو دی جاتی ہے
جس کو کوا کتا بھی سونگھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ پھر بھی بھوک بری بلا ہے۔ پیٹ کا دوزخ
بھرنا ہی پڑتا ہے۔

یہ سختی کا برتاؤ کچھ انصاف پر مبنی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا۔ تو گورے قیدیوں
کو بھی ایسی ہی غذا ملتی مگر اُن کو ایسی اچھی غذا ملتی ہے کہ پچاس روپیہ کا کمانے والا
ہندوستانی جس کے ایک بی بی اور ایک بچہ ہو۔ کھانے کو نہیں پا سکتا۔ ایک گورے
قیدی کو دو ڈبل روٹیاں۔ آٹھ چھٹانک چاول۔ چار چھٹانک گوشت۔ فصل کی عمدہ
ترکاریاں۔ آدھ سیر دودھ۔ چار چھٹانک کھانڈ۔ ہر قسم کا مصالحہ اور گھی۔ دال
مسور یا مونگ یہ چیزیں دی جاتی ہیں۔

ہندوستانی قیدی کو مونگھ کی دال دو چھٹانک - گھاس ۳ چھٹانک - آٹا ۱۱ چھٹانک حتنک - چھ ماشے کڑوا تیل تین ماشے نمک - ایک سرخ مرچ اور بس کپڑا دیسی قیدی کو سرما میں ایک جانگھیا نہایت موٹی دوسوتی کا ایک ایسا ہی کہنیوں تک آستین کا کرتہ - ایک کمبل کا نہایت بدنما کوٹ . . . . - ایک کمبل کی ٹوپی ایک لنگوٹ - دو یا تین کمبل اوڑھنے کو - گرمیوں کے موسم میں کمبل کے کپڑے لے لئے جاتے ہیں - باقی سب رہ جاتے ہیں ہندوستانی قیدی سخت زمین پر یا اینٹوں کی بنی ہوئی قبروں پر جنکو وہاں کھڈی کہتے ہیں سوتے ہیں سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ گرمی کے موسم میں بھی گرم کمبل نیچے بچھانے کو دیا جاتا اور مچھروں کی سختی سے بچنے کیلئے کوئی ٹھنڈی چادر وغیرہ نہیں دی جاتی - اگست - جولائی اور ستمبر کے مہینوں میں گرم کمبل نیچے بچھا کر سونا - یا مچھروں کی سختی سے بچنے کے لئے گرم کمبل نیچے سے نکال کر اوپر اوڑھنا کس قدر تکلیف کا باعث ہو سکتا ہے - اس کا اندازہ ناظرین خود ہی کر لیں میرے قلم میں اس کے اظہار کی طاقت نہیں - اب گوروں کا حال بھی ملاحظہ ہو - دو کوٹ ڈل نیوں دو پتلون - دو قمیص ٹول دو پتلون رات کے پہننے کی دو کیپ - بوٹ - دو چادر پلنگ تکیہ مع دو غلاف - ایک دری - ایک گدا - پلنگ - کمرہ میں روشنی - پڑھنے کو کتابیں - میز کپڑے رکھنے کی تپائی - سونے دو جوڑی - گویا انکی وضع قطع میں کچھ بھی فرق نہیں آتا اور ہندوستانی قیدی کو ایسا عجائب المخلوقات بنا دیا جاتا ہے - کہ اس کے گھر والے بھی شناخت نہیں کر سکتے - ہندوستانی قیدیوں کو رات بھر سونے نہیں دیا جاتا بدلت بھر گنتی اور شور ہوتا رہتا ہے - گورہ بارک کے قریب کوئی چوں بھی نہیں کر سکتا -

اب کام کی سنو ہندوستانی قیدیوں کو چکی - پمپ - کنوآں چلانا - بیلوں کی طرح کولہو میں جتکر تیل نکالنا - مٹی ڈھونا وغیرہ ایسے کام دیے جاتے ہیں جو انسان حیوانوں سے لیا کرتا ہے - مگر گورے قیدی صرف ہندوستانی قیدیوں پر وہاں بھی حکومت ہی کیا کرتے ہیں - دوبارہ یعنی عادی جرائم پیشہ گورے قیدی کو بھی نمبرداری دیدی جاتی ہے ہندوستانی جس کی میعاد سال سے کم ہو نمبرداری نہیں پا سکتا - بجائیکہ جس گورے کو چھ ماہ

[illegible]

غرض گورہ قیدی قید نہیں کیا جاتا۔ اس کو عبرت دلانے اور جرم سے باز رکھنے کے لئے جیل نہیں بھیجا جاتا۔ بلکہ ہندوستانیوں کی شکایتوں سے بچنے کی نیت سے تبدیل آب و ہوا کے لئے بھیجدیا جاتا ہے۔ اور ہندوستانیوں کو دشنی لگا لینے۔ عوض لینے اور زندہ باہر نہ نکلنے دینے کے لئے گوروں سے کئی گنی سزا دیکر دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ مگر ہندوستانی ایسے بے حیا اور سخت جان ہیں۔ کہ پھر بھی صحیح و سلامت زندہ چلے آتے ہیں۔

یہ سلوک ہے جو ہمارے پولیٹکل قیدیوں سے ہوتا ہے۔ صرف یہ اور اضافہ ہو سکتا ہے۔ کہ ان کو قطعی تنہائی میں رکھا جاتا ہے۔ اور کسی دوسرے قیدی کے پاس پہنچنے نہیں دیا جاتا۔ کوئی ملازم ان سے بات نہیں کر سکتا۔ اور سخت سے سخت مشقت اُن سے لی جاتی ہے۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں سر ہنری کاٹن نے ہوس آف کامنز میں مسٹر مارلے سے سوال کیا تھا۔ کہ ہندوستان میں پولیٹکل قیدیوں کو ہتھکڑیاں کیوں لگائی جاتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ عام قیدیوں کا سا کیوں سلوک ہوتا ہے۔ اس کا جواب باتیں بنانے والے فلاسفر نے یہ دیا تھا کہ

> میں نے گورنمنٹ ہند کو ہدایت کر دی ہے۔ کہ پولیٹکل قیدیوں کو تاوقتیکہ کسی قسم کا دنگہ فساد یا چھڑا لے جانے کی کوشش کا اندیشہ نہ ہو۔ دوران مقدمہ میں ہتھکڑیاں نہ لگائی جائیں۔ میں اس پر بھی غور کروں گا۔ کہ بعد سزا اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ مگر ہندوستانی قانون کے بموجب اب تک صرف محض اور سخت قید کا فرق کیا جاتا ہے"

جو کچھ مسٹر مارلے نے کہا تھا یہاں کے حکام نے اس پر اپنی خوشی سے کبھی بھی عمل نہ کیا تھا۔ انہوں نے اس حکم کے بعد بھی جب مجھے دسمبر ۱۹۰۸ء کو پکڑا تو مجھے ہتھکڑی لگائی اور اسی طرح ڈھاکہ کی سازش اور دیگر مقدموں کے دوران میں ہوا۔ میں نے عدالت

کی توجہ لارڈ ارون کے حکم کی طرف دلائی۔ تو مجھے عدالت نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں۔ میں
نے زور کے ساتھ کہا۔ کہ آپ کی لاعلمی کی سزا ہم لوگ کیوں بھگتیں۔ آپ لاٹ صاحب سے
پوچھیئے۔ اس پر دوسرے روز سے ہمیں ہتھکڑی لگنا بند ہو گئی۔ لیکن بہت سی جگہ حکام
نے فتنہ و فساد کے اندیشہ کی آڑ لیکر ہتھکڑیاں لگائے رکھیں۔ اور اعلیٰ حکام نے ان کی اس
دلیل کو قبول کر لیا۔ کیونکہ پولیٹکل قیدی ضرور رعایا کے پیارے ہوتے ہیں۔ انکو دیکھنے
ضرور بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ بنگال کو چھوڑ کر پنجاب اور صوبہ متحدہ میں پولیٹکل
مجرموں کو قید محض کی سزا ملتی ہی نہیں ہمیشہ قید سخت کی سزا دی جاتی ہے
باقی رہا سزا کے بعد نیک سلوک کا سوال اس کے متعلق ان الفاظ کے بعد لارڈ
ارون نے کوئی عملی قدم نہ لیا۔ اور غریب پولیٹکل قیدی بدستور چکی پیستے رہے ہیں۔
کولہو چلاتے رہے ہیں اور وحشیانہ سختیوں کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ اب بھی جاری ہیں
ہم سمجھتے تھے کہ نئے دور کیساتھ شاید غریب پولیٹکل قیدیوں کی قسمت میں بھی کچھ تبادلہ ہوگا لیکن حکومت کی باگ
ڈور جن ہاتھوں میں ہے انکے نزدیک عام اخلاقی مجرم اور سیاسی قیدی ایک برابر ہیں۔ وہ جیلخانہ میں ایک پڑھے لکھے
چور قیدی کو لکھائی کا کام دے سکتے ہیں۔ نیز باہر کے مجرم قیدی کو منشی بنا سکتے ہیں لیکن تعلیم یافتہ اعلیٰ
شریف الخاندان پولیٹکل قیدی کو جیل میں لکھنے پڑھنے کا کام نہیں دے سکتے ہیں۔ وہ ایک ڈاکو قاتل
خلاف وضع فطرت کے مجرم لونڈے باز قیدی کو جیل میں آزادی کیساتھ بارکوں میں سونے اور دن
میں دیگر قیدیوں کے ساتھ مل جل کر نہایت آسان کام کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں لیکن کسی شریف سے شریف
پولیٹکل قیدی کو کوٹھڑی سے باہر بیرک یا بارک میں سونے یا کارخانے میں دیگر قیدیوں کیساتھ آسان
کام کرکے اپنے دن گذارنے کا موقع نہیں دے سکتے۔ چنانچہ انکی مقرر کردہ جیل کمیشن نے بھی
اس سلسلہ میں پولیٹکل قیدیوں اور عام مجرموں میں تمیز کرنے کی کوئی سفارش نہیں کی۔ ایسی حالت
میں ان غریبوں کا خدا ہی حافظ ہے

ولش سپوک
لال چند فلک لاہور

جیل خانہ میں ایک سال

(اُن خیالات کا خلاصہ جو تلک مہاراج نے ۱۸۹۸ء میں اپنی رہائی کے بعد جیلخانہ کے
متعلق ظاہر فرمائے تھے)

میں پہلے بمبئی پریزیڈنسی جیل میں رہا بعد میں مجھے یروڈا جیل میں بھیجا گیا۔ جہاں مجھے نمالیچوں
کی اُون اور سوت رنگنے کے کام پر لگایا گیا قید کے آخری مہینہ میں ہی اُون کاتنے کا کام
دیا گیا۔ مرہٹہ و کیسری اور دیگر اخبار پڑھنے کے لئے آسکتے تھے۔ لیکن نہایت خراب حالت میں
کیونکہ ان میں سے بہت کچھ کاٹ لیا جاتا تھا۔ مجھے یورپین وارڈ میں رکھا گیا کوٹھڑی دس
فٹ لمبی اور ساڑھے آٹھ فٹ چوڑی تھی۔ اس کے ایک سرے پر ایک مچان تھا۔ جو لکڑی کے تختوں
سے ڈھکا ہوا تھا اس پر میرا بستر تھا۔ اور بستر بھی کیا فقط دو کمبل۔ مجھے جیل خانہ کی پوشاک
پہننی پڑتی تھی کتابوں کے پڑھنے اور رات کے وقت میں گھنٹہ تک چراغ جلانے کی اجازت
تھی۔ تمام کتابیں جیل آفس میں رکھی پڑی تھیں اور صرف چند کتابیں کوٹھڑی میں اپنے پاس
رکھ سکتا تھا۔ میں نے اپنا فرصت کا وقت رگوید کے مطالعہ میں صرف کیا۔ جس میں مجھے
ترجموں کی مدد تھی۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ آریوں کے بہت پراچین زمانہ میں ایسے
قطعہ میں رہتے تھے۔ جہاں ایک رات چھ مہینے کی ہوتی ہے یعنی وہ بالکل شمالی قطب کے

نزدیک ہوگا۔ جہاں سے وہ رفتہ رفتہ آبادی کی کثرت کے سبب جنوب کی طرف آئے۔ میرے پاس اس رائے کے ثبوت کے لئے علم طبقات الارض کی تائید ہے جیل خانے میں میں ان کتابوں کو نہیں دیکھ سکا جو میرے موجودہ یقین کی تصدیق کے واسطے بہت ضروری ہیں۔ اغلب ہے مجھے اپنی رائے کو تبدیل کرنا پڑے لیکن بالفعل مجھے اپنے نتیجہ کی درستی کی بابت کوئی شک نہیں۔ جب میں بمبئی کے جیل خانہ میں تھا۔ خوراک کے بارے میں مجھے بڑی تکلیف تھی۔ صرف خشک روٹی اور پانی پر گذارہ کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ مجھے پیاز اور تھوم سے سخت نفرت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ میرا وزن گھٹ گیا۔ اور طاقت بہت کم ہوگئی۔ بمبئی جیل خانے میں رہنے کے وقت پانچ چھ ماہ کے عرصہ میں گیارہ پونڈ وزن کم ہوگیا۔ پھر میری خوراک میں تبدیلی کی گئی۔ سرجن جنرل نے ایک دن جیل خانہ کا ملاحظہ فرمایا۔ اور میرا امتحان لیا چونکہ میرا وزن صرف ۱۰۱ پونڈ رہ گیا تھا۔ اس واسطے جیل کے افسران نے مجھے ایک پونڈ دودھ دینا شروع کیا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد ایک پونڈ دودھ روز ملنے لگا۔ آدھ چھٹانک گھی بھی معمولی روزانہ راشن میں ملنے لگا۔ یہ مہربانی قید کے آخیر دن تک جاری رہی۔ خوراک کے بارے میں یورپین اور دیسیوں میں بہت فرق ہے۔ یورپین کو چاول۔ گوشت۔ آلو۔ چاول۔ روٹی وغیرہ ملتی ہے۔ لیکن دیسیوں کو ہفتہ میں صرف ایک دفعہ آٹے کی روٹی ملتی ہے۔ اور باقی چھ دن باجرہ اور جوار کی روٹی باری باری دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ صبح کے وقت دال اور شام کے وقت پکی ہوئی ترکاری ملتی ہے۔

جیل میں اجازت کے بغیر کوئی بات چیت نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ہی ادھر ادھر حرکت کرسکتے ہیں۔ کام کرنے کے لئے ایک قطار میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ نادانستگی میں کسی قاعدہ کی خلاف ورزی ہوجائے تو اوورسیر جو کچھ اس کی مرضی میں آئے سپرنٹنڈنٹ سے کہہ دیتے ہیں۔ وہ بغیر ان کے عذرات کی سماعت کے سزا دیدیتا ہے جیل خانے کی سزا عموماً یہ ہوتی ہے۔ اور سخت خوراک ہے۔ ایسی حالت میں صرف کانجی ملتی ہے۔ اس کے علاوہ قیدی اس کے ساتھ چال چلن کے نمبر بھی کم ہوجاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے مجھے ان

ناموافق سزاؤں کا تجربہ نہیں ہوا۔ لیکن اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب میری طرف زیادہ توجہ کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صفائی کا جیل خانوں میں کچھ لحاظ نہیں۔ زمین دیواریں اور ہر ایک چیز جو سپرنٹنڈنٹ کی نظر میں پڑ سکتی ہیں۔ صاف رکھی جاتی ہیں لیکن قیدیوں کے جسم کی صفائی کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ وہ مہینہ میں ایک دفعہ اور زیادہ سے زیادہ دو دفعہ نہاتے ہیں۔ اور قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان کے جسم میں جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ بموجب قاعدے کے تین صابون کی ٹکیاں ہر ایک قیدی کو ہفتہ کے روز ملتی ہیں۔ تاکہ وہ اپنی پوشاک جس قدر پانی سے چاہے صاف کرے۔ ہفتہ میں ایک دفعہ سے زیادہ کپڑے دھونا جرم خیال کیا جاتا ہے۔ سونے کی جگہ پسو کھٹمل و دوسرے زہریلے کیڑوں سے بھری ہوتی ہے۔ وہ کمبل زیادہ یا کم خراب حالت میں ہر ایک قیدی کو دیے جاتے ہیں۔ جب وبائے طاعون بمبئی میں پھوٹی۔ اس وقت میں نے میڈیکل افسر کو یہ صلاح دی کہ قیدیوں کے کمبلوں کو ایسڈ سے صاف کرنا چاہئے۔ اور تب افسران کی توجہ اس قسم ۔ ۔ ۔ کی طرف راغب ہوئی۔

بعض قیدی ایسے خوفناک مجرم ہیں۔ کہ ان سے زیادہ مہربانی کرنی ناممکن ہے لیکن معمولی بدمعاشوں کی جماعت کے علاوہ باقی جیل خانے میں رہنے والے بمطابق رحم مزاج ہیں۔ اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کیوں ان سے مہربانی نہ کی جاوے۔ ٹھیک ایسا یورپین قیدیوں کے ساتھ خوراک کے بارہ میں سلوک ہوتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کیوں اعلےٰ درجہ کے دیسیوں کے لئے خوراک کے بارے میں ان کی عام عادات کے موافق مہربانی نہ کی جائے۔ انگلستان میں تمام پولیٹکل قیدی اور وہ تمام جنہیں اپنی رائے کے اظہار کے لئے سزا ملتی ہے۔ اول درجہ کے مجرم خیال ہوتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ مہربانی کا سلوک ہوتا ہے۔ انہیں اپنے کپڑے حتی کہ شراب اور تمباکو وغیرہ بھی ملتا ہے اگر انگلستان میں اس قسم کی اجازت ہے۔ تو کیوں ہندوستان میں ایسے لوگوں کے ساتھ اس قدر نرمی کا طریقہ جاری نہ ہو۔"

دو تین گھنٹے جیل میں

(از قلم جناب کے کے اٹھاولے صاحب ایڈیٹر پنجابی)

یہاں (جیل میں) ہمارے کپڑے اتروا دیئے گئے" اور قیدیوں کے کپڑے ہم کو پہننے کے واسطے دیئے گئے۔ ان میں ایک گھٹنے تک اونچا سوتی پاجامہ ایک سوتی کرتہ کمبل کی ایک کرتی۔ ایک کرتہ ایک کنٹوپ تھا۔ ان کپڑوں کی تعریف میں کچھ تحریر کرنا فضول ہے لیکن اتنا لکھنا ضروری ہے۔ کہ یہ کپڑے اس قدر پرانے اور میلے تھے۔ کہ پہلے تو ان کو دیکھتے ہی ہمارا دل کانپ اٹھا۔ ان میں جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور جہاں کہیں اصلی کپڑا تھا۔ اس کا رواں بالکل اڑ گیا تھا۔ گردن اور بغلیں پسینہ کے مارے چمڑے کی مانند ہو گئی تھیں۔ جن سے پسینہ کی سخت بو آتی تھی۔ قہر درویش برجان درویش بعد تامل بسیار آخر ان کو پہنا۔ لیکن بس پہنتے ہی بدن میں آگ سی لگ گئی۔ ان کپڑوں میں جوئیں اس قدر پڑی ہوئی تھیں۔ کہ توبہ ہی بھلی۔ مگر کیا کر سکتے تھے۔ اپنے اپنے کپڑوں کی گٹھڑی باندھ کر ہم جمعدار کے پاس گئے۔ اور وہ گٹھڑیاں اس کے حوالے کیں۔ اس نے وہ گٹھڑیاں لیکر ہمارے نام کے چٹ ان پر چپکا دیئے۔ اور اس شخص کے ہمراہ ہمیں جیل کے اندر کسی چوکیدار کے پاس بھیج دیا۔ یہ شخص ہمیں کئی جگہ لیئے لیئے پھرتا رہا۔ اور کئی کوٹھڑیوں کے ہو لینے کے بعد ہم سے ایک لکڑی کا مربع بکس اٹھانے کو کہا جس کے دونو طرف اٹھانے کے لئے ہینڈل لگے ہوئے تھے ہم نے اس کو اٹھا لیا اور پھر وہ ہم دونو کو لیئے ہوئے اناج کے کھیتوں کی طرف چلا یہاں اس نے بہت سا مٹی ملا ہوا موٹھ کا آٹا اور تقریباً ایک سیر کے قریب اناج اس بکس میں بھرا۔ اور وہاں سے ہم کو ان کوٹھڑیوں میں لے گیا جہاں چکیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہم نے اس بکس کو دونو ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھا رکھا تھا۔ وہ لالہ جسونت رائے کو ایک کوٹھڑی میں جہاں ایک چکی لگی ہوئی تھی لے گیا اور پاس ہی پڑی ہوئی ٹکی کی طرف اشارہ کرکے حکم دیا۔ اس آٹے کو خوب باریک پیسو۔ اگر

موٹی رہی تو سپرنٹنڈنٹ صاحب سزا دیں گے اور اس کو ٹھڑی کا تالا بند کر دیا ہمیں وہ دوسری طرف لے جانے کو ہی تھا۔ کہ اتنے میں جیل کے ڈاکٹر صاحب تشریف لائے انہوں نے پوچھا۔ کہ وہ کس کے حکم سے ڈاکٹری ملاحظہ ہوئے بغیر ہم لوگوں سے اس قسم کا کام لے رہا ہے۔ چوکیدار اس کا جواب کیا دے سکتا تھا۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے ہمیں ڈاکٹری ملاحظہ کے واسطے ہسپتال میں بھیجا۔ وہاں لالہ جسونت رائے کا وزن معہ تمام جیل کے کپڑوں اور جوتہ کے ۱۱۵ پونڈ اور ہمارا وزن ۱۰۵ پونڈ نکلا۔ اتنے میں باہر سے بندے ماترم اور خوشی کے نعروں کی آواز ہمارے کان میں پڑی۔ جس سے ہم سمجھ گئے۔ کہ لوگ ہماری ضمانت کا حکم لے کر آئے ہیں ہمیں وہاں بیٹھنے کا حکم دیا گیا۔ اتنے ہی میں ہمارے ضمانت پر رہا ہونے کا حکم بھی پہنچا چونکہ لالہ جسونت رائے کے کپڑے سوتی ہونے کی وجہ سے فوراً دھلنے کے واسطے بھیج دئے گئے تھے۔ اس وجہ سے ان کے واپس آنے کے لئے ہم کو منتظر رہنا پڑا۔ جب وہ کپڑے آگئے۔ تب تین بجے کے قریب ہم لوگ جیلخانہ سے باہر لائے گئے اور ہم کو ہمارے کپڑے پہنا کر ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد خلاصی دی گئی۔ دروازہ پر ایک اردلی ہمارے استقبال کے لئے موجود تھا۔ ہمارے نکلتے ہی بندے ماترم کے نعروں سے آسمان گونج اٹھا۔ اور پھولوں کے ہار ہماری گردن میں ڈال دئے گئے۔ اور پھولوں کی بارش ہونے لگی۔ ایک پہلوان نے آکر ہمارے سر پر سے ایک ایک روپیہ تار کیا۔ اور پھینک دیا۔ اس کے بعد بھی کچھ ضابطہ کی کارروائی باقی رہ گئی تھی۔ جس کے پورا کرنے کے لئے ہمیں جیلر اور سپرنٹنڈنٹ کے پاس سنٹرل جیل میں جانا پڑا۔ سپرنٹنڈنٹ نے ہم سے ہمارا نام پوچھ کر ہمیں جانے کی اجازت دی۔ اور ہم خوشی سے اپنے مکان کی طرف واپس ہوئے

بڑے گھر کی سیر

(بلوۂ لاہور کے ایک ملزم کے قلم سے)

مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۰۷ء بوقت ۴ یا ۵ بجے ہم ڈسٹرکٹ جیل میں پہنچے جیل کے دروازہ پر مسٹر رنڈل ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور مسٹر سیلے صاحب سپرنٹنڈنٹ لاہور ڈسٹرکٹ جیل مع ایک ٹولی سپاہیوں کے جن کی بندوقوں پر سنگینیں چڑھی ہوئی تھیں کھڑے تھے۔ جس وقت دروازہ کے پاس گئے۔ تو داروغہ نے حکم دیا۔ کہ ان کے کپڑوں پر فنائل ڈالی جاوے۔ خیر ہمارے کپڑوں کو اچھی طرح ڈسینفکٹ کیا گیا۔ اس کے بعد ہم سب دفتر میں گئے۔ وہاں ہمارے لئے کپڑے جو جیل خانہ کے قیدیوں کی پوشاک ہوتی ہے۔ لائی گئی۔ اور ہمیں حکم ہوا کہ اپنے کپڑے اتار کر ان کو پہن لو ہم سب نے وہ کپڑے پہن لئے۔ اس کے بعد اپنے کپڑے جو ہم گھر سے پہن کر گئے لکھوائے اور ان کی میزان اور ہر ایک کپڑے کو علیحدہ لکھ کر ایک ایک پرچہ کا عدد کا ہمیں دیا گیا کہ ان کو اپنے کپڑوں میں باندھ دو۔ اور کپڑے منشی کے حوالہ کرو۔ ہم نے ہدایت پر عمل کیا۔ اور پھر ہمیں ایک وارڈر کے حوالہ کر کے کہا۔ کہ ان ہر ایک کو ۴ یا ۵ کوٹھری کے فاصلہ پر علیحدہ کوٹھڑیوں میں بند کر دو۔ شام کو پھر ہمیں کھانا کھانے کے لئے حکم ہوا۔ لیکن اس رات کو بہت کم کھانا سب نے کھایا۔ کیونکہ جیل کی روٹی بہت ہی خراب تھی۔ دوسرے دن صبح کو حکم ہوا کہ اپنے بکس لیکر پینے کے لئے غلہ لے لو ہم سب کو ۱۵ سیر فی آدمی پینے کے واسطے چنے دئے گئے۔ اور جب ہم دانہ اپنے بکس میں ڈال چکے تو ہمیں چکیوں میں علیحدہ علیحدہ بند کر دیا گیا۔ شام کو قریباً پانچ بجے ہمارے دروازے کھولے گئے۔ اور ہم کو حکم دیا کہ اپنا آٹا لے کر چلو ہم سب اپنا اپنا آٹا بکس میں ڈال کر اور باقی غلہ جو پینے سے بچ رہا تھا۔ کپڑوں میں ڈال کر روانہ ہوئے۔ وہاں ایک جمعدار آیا۔ اور اس نے ہم سے پوچھا۔ کہ تم نے کیوں دانے کم پیسے ہیں ہم سب نے جواب دیا۔ کہ پہلا دن ہے

اور ہم نے کبھی آٹا پیسے کا کام نہیں کیا ہے۔ خیر ہمارا آٹا و دانہ وغیرہ سب وزن کر کے
انہوں نے ہمیں خالی بکس دیدئے۔ اور ہم اپنی اپنی چکی میں چلے گئے۔ اس کے کچھ دیر بعد
ایک وارڈر آیا اور کہا کہ چلو۔ چل کر برتن کھانا کھانے کے واسطے لے لو۔ اور سب کو ایک
لوہے کا کول اور ایک لوہے کی باٹی۔ ایک ایک پانی پینے کی صراحی دی گئی۔ اس
وقت ایک منشی (وہ بھی قیدی ہی ہے) ہمارے پاس آیا۔ اور ہمیں ایک ایک تختی اور
ایک کاغذ جو رجسٹر کی مانند تہا ہم کو دے گیا۔ اور کہہ گیا کہ اس کو سنبھال کر رکھو۔ ابہی
ڈاکٹر کے پاس جانا ہوگا۔ ہماری تختی جو بلوہ کنندگان کی ہتی۔ اس پر ہماری قید کی تاریخ
لکھی ہوئی ہتی۔ اور ہمارا رجسٹر نمبر و تعزیرات کی دفعات جن کے موجب ہم کو قید کیا گیا
تھا۔ لکھی ہوئی ہتی۔ اور جو رجسٹر ہمیں دیا گیا تہا۔ اس میں بھی ہماری قید و رہائی۔ تعزیرات
ہند کی دفعات جن سے قید ہوئے تھے۔ اور تعلیم کی بابت لکھا ہوا تہا۔ اس کے بعد وہ
منشی پھر آیا۔ اور ہم سب کو ڈاکٹر صاحب کے پاس لے گیا۔ اور وہاں ہمیں پہلے ایک
لکڑی کے پاس کھڑا کر کے ہماری اونچائی دیکھی۔ اور پھر ہمیں وزن کیا گیا۔ اور اونچائی
اور وزن رجسٹروں میں جو ہمارے ہاتھ میں تہا۔ درج کی گئی۔ اور سب کی صحت کو ڈاکٹر
صاحب نے اچہا لکہا۔ البتہ تین آدمیوں کی بابت اس نے لکہہ دیا۔ کہ ان کی صحت اچہی
نہیں ہے۔ ان میں لالہ دینا ناتھ صاحب ایڈیٹر اخبار ہندوستان و لالہ پنڈی داس صاحب
ایڈیٹر اخبار انڈیا و لالہ لال چند صاحب فلک سابق ایڈیٹر ہندی سیالکوٹ تھے۔ دوسرے
دن صبح بہی ہم کو پہلے دن کی طرح بیدرہ بیدرہ سیری آدمی۔ لیکن لالہ دینا ناتھ صاحب
و لالہ لالچند جی کو دس سیری آدمی اور لالہ پنڈی داس کو آٹھ سیر دانہ پیسنے کے واسطے
دئے گئے۔ ابھی آدھ گھنٹہ ہی ہوا تہا۔ کہ ہم کو وہی منشی پھر بلانے کے واسطے آیا۔ اور
کہا کہ صاحب ملاحظہ کریگا۔ چلو۔ لیکن دروازہ پر تالہ لگا ہوا تہا۔ اس لیے آدھ گھنٹہ تک ہم
پھر اپنے اپنے کام میں مصروف رہے۔ اس کے بعد تالہ کھولا گیا اور ہمیں منشی نے وہ
کپڑے جو اپنے گھر سے پہن کر گئے تھے دے دئے۔ اور ہم سمجھے۔ کہ شاید ضمانت سشن جج
کی کورٹ میں منظور ہو گئی ہے۔ اس لیے ہم کو یہ کپڑے ملے ہیں۔ پھر ہم نے منشی سے پوچھا

کہ کپڑے ہمارے کس لئے دئے جاتے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ آپ کے کپڑے بھی صاحب ملاحظہ کرے گا۔ صاحب کے پاس دفتر میں گئے۔ وہاں ہم کو صرف کپڑوں کی تعداد پوچھی گئی۔ کہ تمہارے اتنے کپڑے تھے۔ ہم سب نے اپنے کپڑوں کی تعداد جو ہم کو یاد تھی۔ کہدی۔ اس کے بعد جب دفتر سے باہر آئے۔ تو لالہ پنڈی داس و لالہ دینا ناتھ و لالہ لال چند کو وہاں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ تو ہمیں افسوس سے معلوم ہوا۔ کہ ان کو آج سنٹرل جیل میں بھیجا جاوے گا۔ خیر لالہ پنڈی داس اور لالہ دینا ناتھ و لالہ لال چند سب ہم سے گلے لگ کر ملے اور کہا کہ شاید یہ ہماری آخری ملاقات ہو۔ کیونکہ پانچ سال قید ایک زمانہ ہے۔ کیونکہ معلوم اس عرصہ میں کیا کیا انقلاب ہونگے۔ گو ہمیں قید کا ذرا بھی ڈر نہیں ہے۔ لیکن آپ کی جدائی کا رنج ہے۔ گو لالہ پنڈی داس کم عمر ہی ہے لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بلا کا انسان ہے۔ خوف اور خطرا اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتا۔ خیر ہم کو سپاہی کے حکم سے مجبوراً وہاں سے چلنا پڑا۔ اور اس دن ہمارا سب آدمیوں کا دل اداس رہا۔ کیونکہ پنڈی داس ایسا ہر دلعزیز تھا۔ کہ سارے جیل کے قیدی ہی اس کی تعظیم کرتے تھے۔ چکی کا کام باقاعدہ ہمیں قریباً بارہ دن ملتا رہا۔ اور اس عرصہ میں رام سنگھ بیمار رہتا تھا۔ کیونکہ وہ روٹی کھاتا ہی نہ تھا اور ایک دن گرمی کی زیادتی و کام کی سختی کی وجہ سے ہمارے عزیز دوست لالہ گوردہن داس جی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ بارہ دن چکیوں کے ختم ہوئے۔ اور اتوار کا دن تھا۔ کہ حکم ہوا۔ کہ میدان میں چلو۔ ہم سب میدان میں آئے۔ اور اس دن چونکہ قیدیوں کو کام کے لئے منتخب کرنا تھا۔ اس لئے سب قیدی حاضر تھے۔ اس دن مجھے و لالہ گھسیٹا رام کو کولہو میں ایک تیلی کے سپرد کر دیا اور کہا کہ یہ دو بیل تم کو بنے دئے جاتے ہیں اور ایک کولہو میں رام سنگھ کو بھیجا گیا۔ سردار کرتار سنگھ و بھائی رام کو کوئیں کے چلانے کے کام پر بھیجا گیا۔ گوردہن داس جی کو چونکہ ان کی ٹانگ پر ایک کیل نکل آیا تھا ہسپتال میں بھیجا گیا۔ دوسرے اتوار کو ہمیں وزن کیا گیا۔ تو لالہ گھسیٹا رام جی اپنے اصل وزن سے دو پونڈ کم ہوئے۔ اور میں بھی قریباً چار پونڈ کے کم ہو گیا۔ اور لالہ گوردہن داس جی

۱۸ پونڈ کم ہو گئے۔ باقی سب قریباً اپنے اپنے ہی وزن پر رہے۔ اور پھر سات روز کے
لئے پھر کولہو وغیرہ کے کام پر لگا دیا۔ اور اس سے دوسرے ہفتہ مجھے و لالہ گھسیٹا رام جی
کو کنوئیں پر۔ اور سردار کرتار سنگھ جی و بھائی رام جی کو کولہو میں لگایا گیا۔ اور رام سنگھ و لالہ
گوردھن داس جی کو پانی پلانے پر لگا دیا گیا۔ غرضیکہ ۱۵ دن کے بعد جب پھر وزن کیا گیا
تو میرا وزن اپنے اصلی وزن سے ۷ پونڈ کم ہو گیا۔ میں نے سپرنٹنڈنٹ سے کہا۔ کہ میرا
وزن دن بدن گھٹتا جا رہا ہے تو سپرنٹنڈنٹ نے وہ رجسٹر جو ہم کو پہلے سے ملا ہوا تھا۔
لیا۔ اور دیکھ کر داروغہ صاحب سے صلاح کی۔ کہ کیا کرنا چاہئے۔ مجھے خیال تھا۔ کہ مجھے
چنے کی روٹی کی بجائے سائد گیہوں کی روٹی ملا کرے گی۔ جیسا کہ جیل خانہ میں قاعدہ ہے
لیکن سپرنٹنڈنٹ نے میرے رجسٹر کے اوپر لکھ دیا کہ "دو روٹی دن میں زیادہ ملا کریں"۔
جب میں نے پڑھا۔ مجھے ہنسی آئی۔ کہ یہ عجب بات ہے کہ روٹی زیادہ کی گئی ہے۔ لیکن
خوراک وہی چنے کی۔ اور اس کے بعد لالہ گوردھن داس جی کا وزن کچھ اور بھی کم ہو
گیا لیکن آپ کو یہ سن کر حیرانی ہوگی۔ کہ جیل میں ہی پولیٹیکل قیدیوں کے ساتھ کیسا سختی
کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ نے ان کا ٹکٹ دیکھا اور دیکھ کر کہ
کہ تم اب تک چکی کے کام سے نکل کر پانی ہی پلاتے رہے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ طلا
صاحب نے قلم سے لکھ دیا۔ کہ اس کو کولہو میں بھیجا جاوے۔

ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ ہمارے آدمیوں کو کولہو میں نہ بھیجو ہم کہتے ہیں۔ کہ اس سے بھی
گر سخت کام جیل خانہ میں ہو تو دو۔ لیکن یہ کیا ہے کہ جیل خانہ کے قواعد کو بالائے طاق
رکھ کر جن کو چاہا جس کام پر لگا دیا۔ ایک شخص کا دو ماہ میں بیس پونڈ وزن کم ہو جاتا
ہے۔ کیا یہ غضب نہیں ہے کہ پھر اسے کولہو کے کام پر لگایا جاتا ہے۔ اگر پولیٹیکل قیدیوں
کے ساتھ نرمی کا سلوک نہیں تو کم از کم جیلخانہ کے قاعدہ کے مطابق تو عمل کیا جائے
کیا ان تکلیفوں کو سہہ کر آدمی کے دل میں گورنمنٹ کے لئے محبت پیدا ہو سکتی ہے
نہیں بلکہ ستایا ہوا موڈریٹ بھی ایکسٹریمسٹ بنتا ہے

اونہیں چار باتوں کی ہی جیل میں بہت شکایت ہے۔ وہ شکایات حسب ذیل ہیں

جس دن سپرنٹنڈنٹ آتا ہے۔ وہ دن سوموار کا مقرر ہے۔ تو وہ دن پریٹ کا دن کہلاتا ہے۔ اس دن ایک تو روٹی گندم کی ہوتی ہے۔ دوسرے اچھی طرح پکی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس کا وزن بھی پورا ہوتا ہے لیکن سوائے سوموار کے ایک وقت کی روٹی کے کبھی بھی پکی ہوئی یا وزن کی پوری روٹی دکھائی نہیں دیتی۔ سوموار کو صرف اس وجہ سے اچھی ہوتی ہے۔ کہ سپرنٹنڈنٹ روٹیوں کا وزن اور پکی ہوئی کو اچھی طرح ملاحظہ کرتا ہے لیکن اس میں پکانے والوں کا کچھ بھی قصور نہیں ہے بیس آدمی کل روٹی بھاجی دال کا انتظام کرنے والے ہیں۔ اب قیدیوں کی تعداد ملاحظہ فرمادیں۔ کہ کس قدر ہے ۵۰۰ یا پونے پانچسو کی تعداد ڈسٹرکٹ جیل لاہور کے قیدیوں وحوالاتیوں سمیت ہے اور ۲۰ یا ۲۲ کی تعداد عورتوں کی ہے غرضیکہ ۵۰۰ آدمیوں کی روٹی کا انتظام بیس یا پچیس آدمی کس طرح کر سکتے ہیں۔ اور پھر طرفہ یہ ہے۔ وہ لکڑیاں اور ایندھن وغیرہ بھی باہر سے جا کر لاتے ہیں اور دوپہر کے وقت باہر کے قیدیوں کی روٹی دیئے جاتے ہیں غرضیکہ اس قدر کام ہے۔ کہ وہ اس کام کو ہرگز پورا نہیں کر سکتے۔ جو اُن کو دیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ جو لوگ ملشی کے کام پر لگائے جاتے ہیں۔ وہ جب نئے قیدی جاتے ہیں۔ تو اُن کو بے عزت کرتے ہیں۔ اور اُن کو طرح طرح سے تنگ کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کو اس قسم کے کچھ بھی اختیارات نہیں ہوتے لیکن اس سے کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ کہ تم کیوں قیدیوں کو تنگ کرتے ہو تیسرے روٹی کی کمی سے مندرجہ ذیل بدمعاشیاں قیدی جیل خانہ میں کرتے ہیں۔ جو اکثر پکڑے بھی جاتے ہیں آٹا جو اُن کو پیسنے کو دیا جاتا ہے۔ اس میں ایک دو سیر کی وہ روٹیاں پکا لیتے ہیں۔ اور آٹے میں اُسی قدر مٹی ملا دیتے ہیں۔ اور روٹی کچی ہونے سے قیدیوں کو اکثر پیٹ درد کی شکایت رہتی ہے۔ اتوار کے دن قیدیوں کو اکثر چھٹی ہوتی ہے۔ اور اتوار کے روز اور سوموار کے روز گندم کی روٹی دی جاتی ہے باقی دنوں میں چنے اور سردی میں مکی کی روٹی ملتی ہے۔ صبح کو ایک بھاجی ملا کرتی ہے۔ جس کی بابت ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ کہ وہ کس چیز کی ہوتی ہے۔ لیکن ہری

بیہودہ سی ہوتی ہے۔ اور شام کو ہر روز مونگ کی دال ہوا کرتی ہے۔
قیدیوں کے لیے جو پہلی دفعہ قید ہو کر جائیں۔ ایک علیحدہ احاطہ مقرر ہے اور جو دوبارہ سہ بارہ ہوں۔ یا کئی دفعہ سزایاب ہو چکے ہیں۔ وہ دوبارہ احاطہ میں رہتے ہیں۔ اور اُن کو دوبارہ کہا جاتا ہے۔ دوبارہ قیدی اور ایک بارہ قیدی میں یہ فرق ہے۔ کہ دوبارہ قیدی کے سر پر جو ٹوپی رکھی جاتی ہے۔ اس کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ اور ایک بارہ کی ٹوپی سفید ہوتی ہے۔ اور ہم نے کئی قیدیوں کے سرخ ٹوپیاں دیکھیں۔ تو ہم نے ایک دو قیدیوں سے پوچھا۔ کہ ان کو سرخ کیوں دی گئی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ سرخ ٹوپی اس شخص کو ملتی ہے۔ جو جیل سے ایک دفعہ بھاگ جاوے۔ اور ان کے واسطے حکم ہے۔ کہ جیل کے اندر ہی کام کرتا اور ان کو باہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ افسوس سے دیکھا جاتا ہے۔ قیدی جو چوریوں وغیرہ جرائم میں جاتے ہیں۔ وہ جیل میں بھی اپنے چال چلن کو درست نہیں کرتے۔ بلکہ وہ فرصت کے وقت اکثر جوا کھیلتے یا روٹیاں پکاتے ہیں۔
شام کو ۶ بجے سے بعد ۸ بجے سے پہلے سب قیدیوں کو بند کر دیا جاتا ہے۔ رات کو تین چار دفعہ آ کر پہرہ دار جگاتے ہیں۔ اُن کی آواز اکثر ایسی ہوتی ہے جس سے وہ مخاطب کرتے ہیں۔ (بول او بھائی) بعض پہرہ دار بڑے بیہودہ ہوتے ہیں۔ اگر قیدی کو کہیں نیند آ جائے۔ ایک دفعہ بلانے سے نہ بولے۔ تو اس پر پانی یا کوئی اور چیز پھینک دیتے ہیں اور وہ اکثر گالیاں بھی دیتے ہیں۔ رات کا بہت سا حصہ نیند کا پہرہ دار ہی خراب کر دیتے ہیں۔ پہلی دفعہ قید ہوئے ہوئے شخصوں کو اکثر کوٹھڑیوں میں بند کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض قیدی ایک بارک میں پانچ یا سات اکٹھے رہتے ہیں۔
اتوار کے روز خصوصاً ہم اپنے قومی شہیدوں کے درشن کیا کرتے تھے۔ ہمارے معزز بزرگ لالہ جسونت رائے صاحب ایم اے اور مسٹر کے۔ کے اکٹھا سے نہانے کے واسطے میدان میں آیا کرتے تھے۔ ان کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر ہمارے دلوں کے حوصلے اور بھی بڑھ جاتے تھے۔ اور جس وقت اُن کے درشن ہوتے تھے۔ گویا ایک

گو ہبلے یہاں جاتا تھا۔ وہ بھی اکثر اتوار کے دن ہمارے حالات پوچھا کرتے تھے۔

جیل خانہ کے دن جس قدر گذرے گو ہم کو سخت سے سخت کام پر لگایا گیا لیکن تاہم خوشی سے گذرے تختی جو ہمارے گلے میں ایک لوہے کی تار کے ساتھ لگا کر ڈالی گئی تھی اس کا نقشہ یہ تھا۔

143 A
147
332
LV 6M
29/07 28/09

(A) اس کے معنی پہلی دفعہ کے قید کے ہیں۔
(143) رجسٹر نمبر قیدی
(147) تعزیرات ہند کے بموجب سزا ملی۔
(332) ق
(LV) ایک سال } 29/07 قید ہونیکی تاریخ
(6M) ۶ ماہ } 28/09 رہائی کی تاریخ

جیلخانہ کی زندگی

(یعنی اس ملاقات کے مفصل حالات جو پنجاب کے دلیر دل پولٹیکل قیدی لالہ پنڈی داس اڈیٹر انڈیا گوجرانوالہ کے ساتھ لاہور سنٹرل جیل میں ۲ مارچ ۱۹۰۸ء کو میں نے (یعنی لالچند فلک نے کی تھی)

(س) آجکل آپ کیا کام کرتے ہیں

(ج) میں بانس کاٹ کر تیلیاں بناتا ہوں۔ جن سے آپ جیسے لوگوں کی چلمنیں بنتی ہیں۔

(س) تو آپ ابھی تک وہی کام کرتے ہیں۔ جو میرے جیل میں ہونے کے زمانہ میں کیا کرتے تھے۔

(ج) ہاں۔ آپ کے یہاں سے جانے کے وقت سے لیکر برابر اسی کام پر ہوں۔

(س) کیا آپ کو تحریر وغیرہ کا کام ابھی تک کوئی نہیں ملا۔

(ج) جی نہیں۔

(س) میں نے ایک اڑتی ہوئی خبر سنی تھی۔ کہ آپ کو بھی محرری کا کام ملا ہوا ہے
(ح) ہرگز نہیں ہماری تقدیر میں محرری کہاں یہ سب باہر ختم ہو گئی۔ آپ کو یاد ہو گا۔
جب ڈپٹی جیلر نے آپ کو تحریر کا کام ملنے کی سفارش کی تھی۔ تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے
کیا جواب دیا تھا۔
(س) یہی کہ یہ باہر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ انہیں یہاں لکھنے کا کام نہیں مل سکتا۔
(ح) یہی حال اب ہے
(س) اب آپ کو کس قدر تیلی بنانی پڑتی ہیں۔ اور یہ کام آپ کے لئے کیسا ثابت ہوا ہے
(ح) میں تیلی درجہ اول بناتا ہوں۔ بہت ہی باریک ہوتی ہے اس کا روزانہ ٹھیکہ ۲ چھٹانک
ہے۔ آپکو یاد ہوگا۔ کہ شروع شروع میں جب ناواقفیت کی وجہ سے میرے ہاتھ بانس
کاٹتے کاٹتے زخمی ہوتے تھے۔ اور آپ کی انگلیاں چھلیں بنتے بنتے درد کرنے لگتی تھیں
تو ہم تم دونو کہا کرتے تھے کہ ہمارے لئے خوب سوچ سمجھ کر کام تجویز کیا گیا ہے۔ کیونکہ
اگر گورنمنٹ کو نقصان پہنچا یا پہنچنے کا احتمال تھا۔ تو انہی ہاتھوں کی وجہ سے۔ اس لئے ان
ہاتھوں کو سزا دینے میں خوب مصلحت سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن حد سے زیادہ سزا انسان
کو مضبوط اور مستقل مزاج بنا کر اس کے دل سے سزا کا خوف بالکل بھلا دیتی ہے اسی
طرح مستقل مزاجی نے یہاں میری رہبری کی۔ اور اب میں ایشور کے فضل سے اپنی مشقت
پوری کر لیتا ہوں۔
(س) آپ کتنے گھنٹے کام کرتے ہیں۔
(ح) قریباً آٹھ گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے۔ علی الصباح چھ بجے کے قریب بارکیں کھولی
جاتی ہیں۔ دس پندرہ منٹ میں قیدی پاخانہ وغیرہ سے فراغت پا کر ہاتھ منہ دھوتے
ہیں کہ ادھر سے کھانے کی گھنٹی ہوتی ہے۔ تمام قیدی گھنٹی کو سنتے ہی کھانے کے لئے
پریڈ کرتے ہیں۔ یعنی اپنے برتن (پینل کالونی کے نہیں ہر ایک قیدی کو لوہے کی دو
باٹیاں ملی ہوتی ہیں۔ ایک چھوٹی اور دوسری بڑی) باقاعدہ ایک لائن میں لگا کر
آپ ایک لائن میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک لانگری (باورچی) جو کہ قیدی ہی ہوتا ہے۔ ہر

ٹری باٹی میں دو دو روٹیاں اور دوسرا چھوٹی باٹی میں ترکاری کا ایک ایک ڈرام ڈالتا جاتا ہے
جب وہ اپنا کام کر چکتے ہیں۔ تو پھر دوسری گھنٹی ہوتی ہے جس پر قیدی اُٹھ کر اپنی اپنی
باٹیوں پر جا کر کھانے لگ جاتے ہیں۔ کسی قیدی کو اجازت نہیں ہوتی۔ کہ وہ اپنی روٹی
کسی کو دے یا تبدیل کرے۔ یا پھر کھانے کے لئے رکھ چھوڑے۔ کھانے کے بعد پھر
گھنٹی ہوتی ہے جس پر تمام قیدی اُٹھ کر اپنے اپنے کارخانوں میں مشقت کے لئے
چلے جاتے ہیں۔ دوپہر کو ایک قیدی کو ایک ایک مٹھی بھنے ہوئے چنے ملتے ہیں۔
اور پھر شام کو ۵ بجے چھٹی کی گھنٹی ہوتی ہے۔ اس وقت قیدی کارخانوں سے نکل کر
بارکوں میں چلے جاتے ہیں۔ اور اپنے بستروں کو (موسم سرما میں ہر ایک قیدی کو تین
کمبل۔ ایک مونجھ کی چٹائی اور ایک پرالی کی چٹائی ملتی ہے۔ لیکن موسم گرما میں قیدی
کے بستر میں صرف ایک کمبل اور ایک مونجھ کی چٹائی ہوتی ہے) بارک کے اندر
اپنی کھڈیوں پر (ہر ایک بارک میں آدھ آدھ گز کے فاصلے پر خام اینٹوں کا تقریباً زمین
سے دو فٹ اونچا چھ فٹ لمبا اور دو فٹ چوڑا چبوترہ بنا ہوتا ہے جس پر رات کو قیدی
سوتے ہیں۔ جیل میں اس کو کھڈی بولتے ہیں) بچھا دیتے ہیں۔ اور پھر شام کو حسب
ضرورت اس کے بعد کوئی قیدی ٹٹی میں چلا جاتا ہے۔ کوئی ہاتھ منہ دھونے کو نلکے پر جاتا
ہے پھر شام کو روٹی کی گھنٹی ہوتی ہے۔ اور قیدی اسی طرح پریڈ کرتے ہیں۔ اس کے
بعد رات کو انہیں بارکوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح قیدی اپنی روزانہ زندگی
بسر کرتے ہیں (فلک)

(س) کیا اب بھی آپکو گندم کی روٹی ملتی ہے۔

(ج) ہاں ابھی تک میری کمزوری نہیں ٹوٹی۔ گندم کی روٹی ہی ملتی ہے (قیدیوں کی دو
قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک کمزور اور دوسرے طاقتور۔ قسم اول کے قیدیوں کو ہر روز گندم
کی روٹی ملتی ہے۔ لیکن دوسری قسم کے قیدیوں کو ہفتے میں پانچ دن مکی یا نخود (چنے)
اور دو دن گندم کی روٹی دی جاتی ہے۔ صبح کے وقت روٹی کے ساتھ ترکاری اور شام کو
دال ملتی ہے۔ سردو چیزوں میں گھی کی بجائے تیل ڈالا جاتا ہے۔ جیل کی روٹی اور

باہر کی روٹی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ غلہ تو وہی ہوتا ہے۔ جو دنیا دار لوگ عام طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن جیل میں اس غلہ کی شکل بالکل بدل جاتی ہے جس کی وجہ یہ ہے اول تو قیدیوں کو جو غلہ پیسنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ وہ اس میں سے آٹا نکال لیتے ہیں۔ اور وزن کو پورا کرنے کے لئے اس میں مٹی ملا دیتے ہیں۔ باوجودیکہ اس کو روکنے کیلئے بہت کوشش کی جاتی ہے اور سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے لیکن وہ اسکی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اور بھوک سے مجبور ہو کر سیر آدھ سیر آٹا کچا ہی کھا جاتے ہیں غضب کی بات یہ ہے کہ ان کو یہ سب ہضم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ آٹا لنگر خانہ میں پکنے کو جاتا ہے۔ وہاں پکانے والے اور منتظم بھی قیدی ہوتے ہیں۔ اس لئے وہاں بھی اس آٹے کی بہت کچھ مٹی پلید ہوتی ہے۔ روٹیاں عموماً کچی یا بالکل جلی ہوئی ہوتی ہیں۔ (فالک)

(س) کیا اب بھی روٹی کی وہی حالت ہے جو میرے ہوتے تھی۔

(ج) ہاں وہی ہے۔

(س) کیا اس کا کوئی انتظام نہیں ہوا۔

(ج) میرے خیال میں اس کا انتظام اس وقت تک ہونا بہت ہی مشکل ہے جب تک قیدیوں کی بجائے لنگر خانے میں ملازم نہ رکھے جائیں۔ کیونکہ باوجود اس بات کے کہ سپرنٹنڈنٹ کو بہت بڑی سزا دینے کے اختیارات حاصل ہیں لیکن قیدی عموماً اس کی پرواہ نہیں کرتے

یوں تو ڈاکٹر صاحب ہر روز خوراک کا ملاحظہ کرتے ہیں۔ روٹیاں وزن کی جاتی ہیں ترکاری اور دال وغیرہ دیکھی جاتی ہے لیکن تاہم یہ شکایات دور نہیں ہوتی لانگری آئے دن اس سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر کے پیش ہوتے رہتے ہیں جس کو ہر ہفتہ تیس ضرب بید اور چھ مہینے چکی (اس سزا کا مطلب یہ ہے کہ ایک کوٹھڑی میں قیدی کو بالکل علیحدہ بند کیا جاتا ہے جس میں ایک چکی لگی ہوتی ہے۔ جہاں قیدی کو کھڑے ہو کر ۱۸ یا ۱۵ سیر چنے گندم یا مکی پیسی پڑتی ہے اسی کا نام قید تنہائی ہے۔ کوئی مجسٹریٹ ایک مقدمہ میں تین ماہ سے زیادہ قید تنہائی کی سزا نہیں دے سکتا۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر ایک معمولی بات کے لئے

چھ مہینے تک قید تنہائی کی سزا دینے کا تجربہ (فلک)
قیدی ایسی کڑی سزا بھگتتے ہیں لیکن پروا نہیں کرتے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ سزا کھا کھا کر ڈھیٹھ ہو جاتے ہیں بعض بعض تو اس غضب کے دلیر ہوتے ہیں کہ وہ سپرنٹنڈنٹ اور داروغہ صاحب کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اور منہ پر بھلی بری سناتے ہیں۔ اور موقعہ ملے تو حملہ کرنے سے بھی نہیں ٹلتے۔

(س) آجکل اس جیل میں کس قدر قیدی ہیں۔

(ج) آجکل سولہ سترہ سو کے قریب یہاں کی آبادی ہے۔ جس میں یورپین اور یوریشین لوگ بھی شامل ہیں۔

(س) اب یورپین لوگوں کے ساتھ یہاں کیا سلوک ہوتا ہے۔

(ج) تم دو مہینے خود رہ کر دیکھ گئے ہو کہ جو امتیاز یورپین اور ہندوستانیوں میں باہر دیکھا جاتا ہے۔ وہ ہی قریباً یہاں بھی روا رکھا جاتا ہے۔ یورپین اور یوریشین دونوں اکٹھے رہتے ہیں۔ اور خوب مزے اڑاتے ہیں تم اچھی طرح جانتے ہو انکی مشقت ہلکی ہوتی ہے۔ وہ عموماً لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہیں۔ یا وہ سفید لفافے بناتے ہیں۔ ان کو ہر روز ایک بڑی ڈبل روٹی۔ گوشت ترکاری چھٹانک بھر مکھن۔ سوجی۔ چاء اور چاول وغیرہ ملتے ہیں۔ باقی رہا اُن کا لباس وہ بھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھ گئے ہو کہ وہ اسی وضع کا ہوتا ہے جیسا وہ باہر پہنتے ہیں۔ البتہ کپڑے کی قسم میں فرق ہوتا ہے۔ یہ کپڑا ہندوستانی قیدیوں کے کپڑے سے کسی قدر اچھا ہوتا ہے

(س) آپ کو اپنے ملک کی خاطر بہت تکلیف ملی ہے

(ج) یہ کوئی تکلیف نہیں مبارک ہیں وہ لوگ جو ایسی تکلیف میں ڈالے جائیں۔ اسے میری خوش قسمتی سمجھئے۔ وطن کی خدمت میں اگر کوئی آفت آئے۔ تو اُسے راحت سے بہتر خیال کرنا چاہئے۔

(س) خوراک کپڑے اور مشقت کے علاوہ آپ کو کوئی خاص تکلیف تو نہیں۔

(ج) مجھے ان سب باتوں کے سوا یہاں ایک بہت ہی بھاری تکلیف ہے جس کا میں نے ذکر نہیں کیا

(س) وہ کونسی تکلیف ہے؟
(ج) وہ تکلیف گورنمنٹ کا میری جسمانی حالت کے علاوہ میری اخلاقی حالت پر بھی حملہ کرنا ہے۔
(س) وہ کیسے۔
(ج) جیل میں اس بات کا کوئی انتظام نہیں۔ کہ کسی قیدی کو جرم کے پیچھے کے لحاظ سے اس کو بد اخلاق آدمیوں سے علیحدہ رکھا جائے۔ اور میرے لئے تو عجیب ہی مشکل کا سامنا ہے۔ آپ خود جانتے ہیں کہ یہاں بائیس سال سے کم عمر قیدیوں کو لڑکا تصور کر کے بڑوں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ اور ہم تم دونوں جیل کی اسی ینگ پرزنرز ایسوسی ایشن کے ممبر بنائے گئے تھے۔ ان کے اخلاق کے تو کیا کہنے ہیں یقیناً معلوم ہے کہ اس میں ایک بھی شاید تعلیم یافتہ لڑکا نہیں۔ اس سوسائٹی کا کام دن بھر شرارت آمیز باتیں کرنا ہے اس کی حوش بیانی گالی گلوچ اور بیہودہ گوئی تک محدود ہے اس سوسائٹی کا اعلیٰ معراج مدعی ہے۔ اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ جھوٹ۔ کم ہیومری چغلی۔ بے ایمانی جعلسازی اور لڑائی فساد کرنا ہے اس سوسائٹی کے ممبر (اور تو کھلاڑیاں کیا کل سکتا ہے) ایک دوسرے کی حتیٰ بستر۔ ٹائی اور گلے کے کپڑے تک چرانے سے فرق نہیں کرتے۔ ان کی ہر وقت یہی خواہش رہتی ہے کہ لانگری سے کسی نہ کسی طرح اپنی لفری (مقررہ خوراک۔ دو روٹیاں دفعات)) کے علاوہ دھوکہ بازی سے فالتو روٹی لی جائے آپکو تو خیر اس سوسائٹی کی ممبری کے ناقابل سمجھ کر خارج کر دیا تھا۔ باقی رہا میں سو آپ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ اس سوسائٹی کی ممبری کا اعزاز میرے لئے کس قدر افتخار کا باعث ہوگا
(س) اب آپ کے پھر کب درشن ہو سکیں گے۔ (ج) ۶ ماہ کے بعد بشرطیکہ کوئی ۔۔۔ مہر۔

جیلخانہ کی کہانی

(مسٹر بنگال بابو نہیں حیدر پال کی زبانی)

جو سلوک میرے ساتھ پریسیڈنسی اور کیمبل پور کے جیل میں ہوا میں اس کا ہرگز شاکی نہیں ہوں دونوں
مقامات پر مجھ سے مہربانی کا اظہار کیا گیا۔ چند ایک تکالیف ہوئیں لیکن وہ بہت جلد فراموش
ہو جائیں گی۔ مجھے لکھنے پڑھنے کی اجازت تھی اور میں اپنے وقت کا زیادہ حصہ اسی میں صرف
کرتا تھا۔ میرے خط مجھے دئے جاتے تھے۔ مگر دو ماہ میں ایکبار جو جوابات میں دیتا تھا وہ
فوراً بھیج دئے جاتے تھے۔ مجھے حسب مرضی کام کرنیکا اختیار تھا۔ جب صبح جی چاہتا
میں اُٹھتا۔ رات کو جس وقت طبیعت چاہتی میں سوتا۔ صرف رات کو ہی میں قید خانہ
کی کوٹھی میں بند ہوتا تھا۔ میرے روزانہ کام کا پروگرام یہ تھا۔ ساڑھے چھ بجے صبح اُٹھتا
جب دوسرے قیدی کام پر جاتے تھے میں پوجا پاٹھ کرتا تھا۔ بعد کو مذہبی کتب کا مطالعہ کرتا
تھا۔ ۹ بجے چاء پی کر ٹہلا کرتا تھا مگر قید خانہ میں میرا ٹہلنا ویسا فرحت بخش اور دلخوش
کن نہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ فراخ میدانوں اور سرسبز باغوں میں ہوا کرتا ہے میری کوٹھری کے سامنے
۴۰ گز لمبا برآمدہ تھا۔ اسی میں میں قریب بارہ مرتبہ آتا جاتا تھا۔ اور اپنے قدم شمار کرتا جاتا تھا
مجھے معلوم ہوتا تھا کہ میں پورے دن کا کام کر چکا۔ ۱۱ بجے کھانا کھا کر میں سو جاتا تھا۔
اور پھر ڈیڑھ بجے سو کر اُٹھتا تھا۔ اور شام تک پڑھا لکھا کرتا تھا۔ ۵ بجے شام کو کھانا کھاتا
اور ساڑھے پانچ بجے بند ہوتا تھا۔ پریسیڈنسی جیل میں میرا وقت بڑی دلچسپی سے گذرا بعد
میں جب میں کیمبل پور جیل میں منتقل کیا گیا۔ جس کا سبب ہنوز معلوم نہ ہوا۔ مجھے کیمبل پور جیل میں ایک
ہی جیسی روش کرنا پڑتی تھی۔ کیونکہ یہاں کی کوٹھڑی ذرا زیادہ لمبی چوڑی تھی۔ مگر پریسیڈنسی
جیل میں دس بجے رات کے بعد باہر ہی روشنی رہتی تھی۔ اندر روشنی کا نام تک نہ ہوتا تھا۔
خوراک کی نسبت میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ چونکہ مجھے قید محض کی سزا ہوئی تھی۔ اس لئے
میں اول درجہ کی خوراک کا مستحق تھا۔ مگر مجھے بدستور درجہ اول کی خوراک ملی پریسیڈنسی
ہول یعنی جیل میں مجھے خاص قسم کا کھانا دیا گیا۔ مجھے بیمار قیدیوں کی غذا دی گئی مجھے
وہ چاول دئے گئے۔ جو ہسپتال میں دئے جاتے ہیں میری غذا کی چیزیں تیل سے
نہیں۔ بلکہ گھی سے ہوتی جاتی تھیں۔ ایسا ہی کیمبل پور میں بھی ہوا جب تک مسٹر ہیکمین
سپرنٹنڈنٹ رہے۔ مگر جب دوسرے سپرنٹنڈنٹ تشریف لائے۔ انہوں نے مجھے رنگونی

چاول دینے شروع کر دیئے۔ اس نے میرے جیلخانہ کے ٹکٹ کا ملاحظہ کیا میری عمر
اونچائی۔ وزن میرے انگوٹھے کا نشان اور میری قید کی مدت کو جانتے ہوئے بھی میری
پرانی مریضوں والی خوراک بند کر دی۔ اب میری صحت روز بروز بگڑتی گئی۔ میں نے یہ بات
جیلر کو بتلائی۔ اور ان کے ذریعہ سپرنٹنڈنٹ جدید کی خدمت میں عرض کی۔ کہ اب تک مجھے
اچھے چاول ملتے تھے۔ جس کی وجہ بیماری نہیں تھی۔ بلکہ میرے ساتھ یہ خاص رعایت تھی
دوسرے روز میں مالک جیل کے کمرہ میں لایا گیا۔ اور جونہی میں باادب کمرہ کے اندر پہنچا۔
مجھے ایک پررعب آواز میں حکم دیا کہ ہندوستان کے دارالسلطنت میں عام طور پر رواج ہے
اور زیادہ دور جانیکا حکم دیا گیا۔ خیر اس واقعہ سے چاول والے معاملہ کو کچھ تعلق نہیں ہے
سپرنٹنڈنٹ نے خاص طور پر رعایتاً نہ کہ بطور فرض مجھے اچھے چاول دینے کا حکم دیا۔
اور یہ فیصلہ مندرجہ بالا نہایت بہتر طریقہ سے طے پایا ایک روز میجر لوتنان انسپکٹر جنرل
جیل مجھے دیکھنے تشریف لائے۔ اور میں یہ اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ وہ نہایت اخلاق
اور خوش اسلوبی سے میرے ساتھ پیش آئے۔

اس واسطے بعد میں میرے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک ہوا۔ مجھے امید ہے کہ
یہ ہرگز بغاوت نہ خیال کی جائے گی اگر میں یہ خیال ظاہر کروں۔ کہ قید خانوں کو ڈاکٹری
محکمہ کے افسروں کے بلحاظ کماحقہ سپرد کرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ایک ہی شخص کو بنانے
یا بگاڑنے۔ درست کرنے یا سزا دینے کا اختیار دینا خلاف مصلحت ہے۔ میری رائے
میں سپرنٹنڈنٹ و میڈیکل افسر دونوں کے عہدہ علیحدہ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ دونوں کے ایک
ساتھ رہنے سے سخت غلطیوں کا اندیشہ ہے۔ رہائی کے روز مجھے ناجائز طور پر دو گھنٹہ
تک ٹھیرایا گیا جیلخانہ کے قواعد نمبر ۴۸۴ اور ۴۶ کے موجب سپرنٹنڈنٹ کا فرض
ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد یہ الفاظ دوسرے قواعد کے موجب ہیں۔ لیکن جس سے
یہ مراد ہے کہ سپرنٹنڈنٹ کا پہلا فرض قیدی کی رہائی کے سرٹیفکیٹ پر دستخط کرنا اور
اس کے بعد رہا کرنا ہے میری رہائی کے واسطے سپرنٹنڈنٹ تقریباً ۸ بجے تشریف لائے اور
انہوں نے ۹ بجکر ۴۰ منٹ تک سرٹیفکیٹ پر دستخط نہیں کئے اس عرصہ میں سپرنٹنڈنٹ

صاحب بارہ سو قیدیوں کی قواعد دیکھتے رہے۔ اس کے بعد مجھ کو اپنے دفتر میں بلایا۔ میں اُس وقت تک خاموش کھڑا رہا۔ جب تک جیل کے منشی کو سپرنٹنڈنٹ صاحب ایک نئے وارڈ کے لئے ہدایت کرتے رہے۔ جو قواعد کے وقت منتخب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے دریافت کیا۔ کہ تمہارا کتنا روپیہ چاہیئے۔ یہ سوال بالکل بے ڈھنگم تھا۔ میں نے افسران جیل کے پاس ساٹھ روپیہ جمع کیا تھا۔ مگر انہوں نے انٹر کلاس اور سیکنڈ کلاس کے درمیان جس قدر کرایہ کا فرق ہوتا تھا۔ وضع کر لیا۔ حالانکہ میں گورنمنٹ کے خرچ پر آیا تھا۔ مجھ کو دو کانسٹبلوں کا بھی کرایہ دینا پڑا۔ جو کہ میرے ساتھ خود بخود بلا جبر کے تشریف لائے تھے تھوڑا روپیہ اس ہوٹل میں خرچ ہوا تھا جب کہ ابھی آئی ریلوے کی ہڑتال کی بدولت بلا اجازت گورنمنٹ مجھے پانچ دن جیل کے باہر رہنے کا حق حاصل ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہ پوسٹ کارڈ وغیرہ اخراجات کا حساب لگایا گیا۔ اور اس وقت مجھ سے ان معمولی اخراجات کا ربانی حساب لگانے کی درخواست کرنا کیا ہی کا انصاف تھا جب کہ میرے قدم قیدخانہ کی دیواروں کے باہر جانے کے لئے اُٹھ رہے تھے۔ مگر بعد اس فضول و بیہودہ ہیری کے اسسٹنٹ جیلر نے میری باقیات مجھے واپس کر دیں۔ اور میں دوبارہ ایک آزاد انسان ہو گیا

(مہاتما گاندھی کے قلم سے)

میرے دوستوں نے مجھے اجازت دی ہے۔ کہ میں اپنی قید کی زندگی کے حالات لکھوں۔ گو یہ زندگی بہت مختصر تھی۔ میں نے وہاں بعض باتیں ایسی دیکھیں۔ جن کو اگر کسی مستقل نگاہ سے رکھا جاوے۔ تو بہت دلچسپ ثابت ہوں گی۔ چونکہ میرا پکا وشواش ہے کہ قید عام طور سے آزادی اور اصلاح کے دروازے کھلنے کا سبب بن سکتی ہے میرے تجربے جو میں بیان کروں گا ان کے لئے بے سود نہیں ہونگے۔ جو کسی خاص اصول کی خاطر سا

کی پروا نہیں کرتے۔ کہ انکو کوئی تکلیف ہو۔ یا اُن کی شخصی آزادی پر کوئی قید لگائی جائے

۱۰ جنوری ۱۹۰۸ء شنکروار کی دوپہر کو مجھے معہ میرے چند ہموطنوں کے دو ماہ قید محض کی اس جرم میں سزا دی گئی۔ کہ ہم نے ایشیاٹک لا رجسٹریشن ایکٹ کے موجب رجسٹری کا سرٹیفکیٹ نہیں لیا تھا۔ جوہانسبرگ میں سب سے پہلا میرا مقدمہ پیش ہوا۔ سزا سے اول کچھ منٹوں تک قیدیوں کے احاطہ میں جو کہ مجسٹریٹ کی عدالت کے ساتھ ملحق ہے۔ مجھے ایک گاڑی میں سوار ہونے کو کہا گیا تھا۔ جس تک مجھے چپکے سے لیجایا گیا تا کہ اس جمغفیر کی آنکھوں سے بچ سکیں۔ جو فیصلہ کی انتظار میں باہر کھڑا تھا جب میں گاڑی میں جا رہا تھا۔ تو اس وقت میرے دل میں کئی خیالات آئے۔ کیا وہ مجھے پولیٹکل قیدی سمجھ کر میرے ساتھ ویسا سلوک کرینگے۔ کیا میں اپنے ہموطن قیدیوں سے جدا کیا جاؤں گا۔ کیا وہ مجھے جوہانسبرگ کے جیل خانہ سے لے جائیں گے بھی یا نہیں۔ خیر ان سوالات کا جواب مجھے جلد ہی مل گیا۔ مجھے میرے ان ہموطنوں سے جن پر میرے ساتھ ہی مقدمہ چلایا گیا تھا اور نہ ہی مجھ سے کوئی خاص سلوک کرنے کا خیال۔ بلکہ جو کچھ پیش آیا ان کے لئے تیار بھی تھا۔ سب سے پہلے وہ ہم سب کو استقبالیہ کمرے میں لے گئے۔ کیونکہ اس کمرے کا نام یہی ہے کہ جس میں وہ قیدیوں کے ماپ لیتے اور ان کے کپڑے بدلواتے ہیں۔ وہاں ہمارا وزن کیا گیا۔ اور ہمارے کپڑے بالکل اتار لیے گئے ہمیں وہ کپڑے دیئے گئے جو قید محض کے قیدیوں کو دیئے جاتے ہیں ہم سب کے انگوٹھے کے نشان لیے گئے اور ۴ بجے کے قریب شام کے کھانے کے لئے ۸ اونس (۴ چھٹانک) روٹی دیکر ہمیں کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ یہ کوٹھری افریقہ کے دیسی باشندوں کے احاطہ میں تھی۔ ان میں ایک ایسی کوٹھری میں ٹھہرایا گیا۔ جس کے اوپر لکھا ہوا تھا۔ "رنگدار مقروض لوگوں کے لئے" یہ تجربہ تھا۔ جس کے لئے ہم تیار نہ تھے۔ ہمیں یہ خیال تھا۔ کہ ہمیں افریقہ کے باشندوں سے علیحدہ کوئی جگہ رہنے کے لئے دی جاوے گی۔ لیکن اچھا ہوا۔ جو ہمیں ان کے ساتھ رہنے کا موقعہ دیا گیا۔ اس حالت میں تاہم کو دیسیوں کی زندگی اور ان کے عادات و اطوار کے مطالعہ کا زیادہ موقعہ ملیگا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا۔ کہ ہندوستانیوں کو مخالفت کسی قدر پہلے شروع

کرنی چاہیے تھی۔ اس سے بڑھ کر ہندوستانیوں کی اور کیا ہتک ہوسکتی ہے۔ کہ ان کو افریقہ
کے وحشیوں کے ساتھ ملادیا گیا ہے اس قانون میں ہمارے تنزل کی حد ہوچکی۔ مجھے یہ خیال
آیا۔ جیسا کہ ہر ایک بے تعصب آدمی کو آئے گا۔ کہ انسانیت اس امر کا تقاضا کرتی تھی۔
کہ ہمیں خاص قسم کے کپڑے دیئے جاتے قصور حکام جیل کا نہ تھا۔ یہ قانون کا قصور ہے۔ جس
نے ایشیائی قیدیوں کے خاص سلوک کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ قواعد کے اندر جہاں تک
ممکن تھا۔ جیل کے گورنر نے ہمیں آرام پہنچانے کی کوشش کی۔ جو پاسبان ہماری حفاظت
کے لئے مقرر تھے وہ بھی گورنر کی طرح ہمارے ساتھ اسی طرح نرمی سے پیش آتے تھے لیکن وہ
یہ نہیں کر سکتا تھا۔ کہ دیسی قیدیوں کے دن رات کے شوروغل سے محفوظ ہمیں کوئی جگہ دے
سکے۔ بعض قیدیوں اور حیوانوں کے درمیان تو بہت ہی تھوڑا فرق تھا۔ وہ شور برپا کرتے
اور آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ گورنر کا اختیار نہ تھا کہ چند ہندوستانی قیدیوں کو (یہ امر
ہندوستانیوں کے حق میں دلالت کر رہا ہے۔ کہ انکے قیدیوں کی تعداد اس قدر کم ہے)
ان کو حبشیوں سے علیحدہ کر سکے۔ جن میں افریقہ کے قیدی رہتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ
ہی یہ بھی صاف ہے کہ علیحدہ رکھنا جسمانی طور پر بھی ضروری ہے۔ ہندوستانیوں اور دیگر
ایشیائی قوموں کو وہاں کے باشندوں کے ساتھ ملانے کا خیال اس قدر زبردست تھا
کہ ہمارے کپڑے پر جس پر بوجہ نیا ہونے کے کوئی نشان نہ تھا (لفظ نیٹو لکھا تھا) اس جماعت
سے کس طرح ہندوستانیوں کو فاقہ مستی کرنی پڑتی ہے۔ اس کا حال اس وقت معلوم
ہوگا۔ جب ہم خوراک کے سوال کی طرف آئیں گے۔ جس حجرہ میں ہمیں بند کیا گیا۔ اس میں تیرہ
قیدیوں کے لئے جگہ تھی۔ گویا کہ ہمیں رہنے کے لئے کافی جگہ دی گئی۔ ساڑھے پانچ بجے شام
ہوجانے کا تجربہ بالکل نیا تھا۔ حجرہ لوہے کی چادروں کا بنا ہوا کافی مضبوط تھا۔ گو ان قیدیوں
کیلئے مضبوط نہ ہو جو بھاگنے پر تلے ہوئے ہوں۔ اس میں ہوا اور روشنی کے لئے کافی انتظام
تھا۔ لیکن سب کے اوپر دو چھوٹی کھڑکیاں جو کہ آدھی کھلی ہوئی تھیں۔ اور مقابل دیوار کے
سوراخ آج کل کی ضروریات کے مطابق نہیں گو مجھے بتایا گیا ہے۔ کہ ٹرانسوال کے قید خانوں
میں یہ ہوا اور روشنی کے انتظام کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ کمرے ہیں۔ کوٹھڑی میں

بجلی [illegible] کی روشنی کا انتظام [illegible] لیکن روشنی اس قدر ناکافی تھی کہ بغیر تکلیف کے اس کے
ساتھ پڑھنا [illegible] تھا۔ رات کے لئے ہمیں پانی کا ایک ڈول اور ٹین کا ایک گلاس
دیا جاتا تھا۔ رفع حاجت کے لئے ایک ڈول جس میں ڈس انفیکٹ کرنیوالی چیزیں ہوتیں
ایک کونے میں رکھ دیا جاتا تھا۔ ہمارا بستر یہ تھا۔ لکڑی کے تخت۔ دو کمبل بوریا اور سرہانہ
کے لئے معافی۔ ہماری درخواست پر گورنر نے حکم دیا۔ کہ ایک بینچ اور دو ڈیسکیں ہمارے کمرہ
میں رکھ دی جائیں۔ تاکہ ہم لکھنے کا کام کر سکیں۔ کوٹھڑی ۶ بجے کھلتی تھی۔ اور صبح ہوتے
ہی ہمارا پہلا کھانا شروع ہوتا تھا۔ پہلا ہفتہ تو ہمیں دلیا بوزن ۶ چھٹانک دیا جاتا رہا
ہم میں سے ناشتہ کے لئے بہتوں کو دلیا کم ملتا تھا۔ نہ تو چینی اور نہ تو ہندوستانی اس دلیا
کو کھا سکتے تھے۔ کیونکہ اس میں نہ دودھ ہوتا تھا۔ اور نہ چینی۔ ہندوستانی قیدیوں کے
ساتھ اتنی رعایت البتہ کی جاتی۔ کہ ان کو دو چھٹانک چاول اور نصف چھٹانک گھی
مل جاتا تھا۔ اس خوراک سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے نہیں کہ یہ لذیذ نہیں ہوتی بلکہ
اس لئے بھی کہ یہ ایشیائی طبیعت کے موافق نہیں چینیوں کو اور بھی تکلیف تھی۔ کیونکہ
ان کو بالکل ہی وہی کھانا دیا جاتا تھا۔ جو افریقہ کے باشندوں کو دیا جاتا ہے اس لئے
ان کو چاول بھی نہیں ملتے تھے۔ ہم میں سے بہت سے تو پہلے کئی دن بھوکے مرتے رہے
لیکن جب انہوں نے قدرتی نفرت کو بھی دبا لیا۔ تب بھی یہ خوراک اس قسم کی تھی۔ کہ ہم
میں سے بعض کو اس سے قبض ہو جاتی تھی۔ اور بعض کو دست لگ جاتے تھے لیکن ہم نے
سمجھ کر لیا تھا۔ کہ اسی پر گذارہ کرینگے۔ اور کوئی رعایت یا مہربانی کی درخواست نہ کرینگے
ہم نے محسوس کیا کہ یہ جیل کے گورنر کا فرض ہے۔ کہ وہ اس بات کا انتظام کرے۔ کہ
ہمیں بہتر خوراک دیجاتی ہے اس لئے جب گورنر نے ہم سے دریافت کیا۔ کہ ہم خوراک
کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ تو ہم نے جواب دیا کہ ہماری خوراک ہمارے موافق نہیں گو
ہم کسی قسم کی رعایت نہیں مانگتے۔ دوسرے ہفتے کسی قدر آرام ہو گیا۔ کیونکہ صبح کے کھانے
میں ایک پاؤ آلو یا کوئی اور سبزی دی جایا کرنے لگی۔ اور اتوار کے دن کے لئے ۲ چھٹانک
گوشت منظور کیا گیا۔ لیکن چونکہ ہم میں سے بہت سے گوشت نہیں کھاتے تھے۔ اور جو

لکھا ہوا لیسے تھے وہ اس لئے ہمیں کہاتے تھے کہ گورنمنٹ ہوکے شمارے میں مذہبی ہندوؤں کی بیل
کی گئی تھی۔ اس لئے ہمیں ایک پونڈ یعنی نصف سیر سری ملا کرتی تھی لیکن افسوس کہ یہ
خوراک بہت دیر تک نہ ملی۔

سرحدی جیلخانہ میں ہماری مہمانی

(ایڈیٹر فرنٹیئر ایڈووکیٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قلم سے)

گزشتہ پرچہ میں ہم نے مفصل حالات اپنے ناظرین کے پیش کئے تھے اور پرچہ نکلنے
کے بعد جمعہ گزشتہ کے روز دو بجے کے قریب تھانیدار صاحب اور سنتری کانسٹیبل ہمارے پاس
پریس میں آئے۔ اور تھانیدار صاحب نے یوں سلسلہ جنبانی شروع کی کہ کیوں اپنی پولیس
کو چھیڑتے ہو۔ کپتان صاحب نے دس ہزار کی چوری کا نوٹ پڑھ کر ہم پر غصہ کا نزلہ گرایا
ہے۔ صاحب تم ذرا کپتان صاحب کی تعریف لکھ دو۔ کہ شہر کی حفاظت کے لئے ۱۲ کنسٹیبل
مقرر کر دئے ہیں۔ تم نے بھی پولیس کا رنگ کیا پایا ہے اور پولیس پر مہربانی کیا کرو۔
زیورات ایک آدمی کے اپنے گھر سے برآمد ہوئے ہیں۔ اس نے اگر رپورٹ لکھا دی ہے
ہم نے جواب دیا کہ مضامین پولیس کے برخلاف نہیں ہوتے۔ اور نہ حکام اخباروں کی ملامت
پر توجہ کرتے ہیں خواہ ہم کچھ ہی کیوں نہ بکتے رہیں۔ مثلاً ملکا کا کیس لیجئے۔ تھانیدار ملکا کو
لاس نمبر کیا گیا ہے [illegible]۔ اخبار کے کالم تو سیاہ کرنے ہوتے ہیں اور کوئی مضمون نہ ملا۔ تو
پولیس کی بہت شکایت کر دی۔ تھانیدار صاحب نے پانی پلانے کے لئے کہا چونکہ
چپراسی موجود نہ تھا ہم خود چاہ پر پانی لینے کیلئے چلے گئے اور پانی بھر کر دیا کہ ایک سوار پروانہ
تھانیدار صاحب کو دیا اور تھانیدار صاحب نے ہمیں وہ پروانہ دکھایا۔ چٹھی دیکھ کر حالت
دیکھ کر افسوس کرتا ہوا اٹھا اور ہم نے کہا کہ ہتھکڑی لگانی ہے یا اسی طرح پیش کرنا ہے۔ پہنے
کپڑے پہن کر دو کنسٹیبلوں کی زیر حراست کپتان صاحب کے بنگلہ پر گیا۔ تو بہت تندی

۱۰ بجے کے قریب ہتکڑی لگا کر چھوٹا بازار سے گذر پولیس دفتر میں پہنچے۔ جہاں کہ ۱۱ بجے
عدالت میں حاضر ہونے کے لئے حکم ملا۔ عدالت کے کمرے کے باہر ہمیں اپنے زیور کے
ساتھ بٹھا دیا گیا۔ اور کچھ دیر بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے اجلاس شروع کرنے کے بعد
ہمیں اندر بلایا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب بہادر نے سپرنٹنڈنٹ کو مضمون نکالنے کا حکم دیا جس
کہ دفعہ ۱۳ سرحدی ریگولیشن کی کارروائی ہوتی تھی۔ اور ہمیں بیان دینے کے لئے حکم ہوا مگر ہم
نے بیان دینے سے انکار کیا۔ پھر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے ایڈیٹر اور مالک ہونے کیلئے
دریافت کیا جو میں نے تسلیم کیا۔ پھر صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ایک دو امور دریافت
فرمانا چاہا۔ مگر ہم نے جواب دیا کہ پہلے میں عرض کر چکا ہوں کہ اس عدالت میں بیان دینا
نہیں چاہتا کیونکہ ہم آپ کے خلاف لکھ چکے ہیں۔ تھوڑی دیر کچھ لکھنے کے بعد ڈسٹرکٹ
مجسٹریٹ صاحب نے حکم دیا کہ دو سال کے لئے دو ہزار کی ضمانت دفعہ ۱۳ سرحدی
ریگولیشن کے مطابق چار آدمی مہیا کرو۔ اس پر ہم نے عرض کیا کہ اگر عدالت سرحدی ریگولیشن
کے مطابق کارروائی کرنا چاہتی تھی۔ تو ہتھکڑی لگانے کی کوئی وجہ نہ تھی اور عدالت نے
بے ضابطگی کی۔ اس پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے غصہ ہو کر پھر حکم سنایا کہ تین سال کے
لئے ضمانت دو ہزار کی لے لو۔ اور مجھے حوالات بھجوا دیا۔ اور ضامن حاضر عدالت ہوئے
مگر صاحب موصوف نے اس وجہ پر انکار کیا کہ یہ ضامن باہر کے ہیں۔

دو بجے دوپہر کے ہم جیل خانہ میں پہنچے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے
بڑی تحقیقات کے بعد ہم کو ایسی جگہ میں جو احاطہ جیل میں ہے۔ پہنچائے گئے اور پاؤں میں بیڑیاں
لگا کر ایک زنجیر سے جو کہ درخت کے ساتھ بندھی ہوئی تھی باندھ دیا۔ دو اور ملزم بھی
موجود تھے۔ شام کے وقت وہ دو بھی کوارنٹین میں لائے گئے گویا ہم پانچ ملزم ہو گئے
شام کے [illegible] سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اجازت دی اور اب ہم کو روٹی کھانے کے
لئے چھوڑا جا رہا ہے اور ہم ان کو [illegible] گویا تمام رات بیدار [illegible]
ہمارے [illegible] [illegible]
[illegible]

۱۰ بجے سپرنٹنڈنٹ جیل کوارنٹین کیمپ میں تشریف لائے کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کا
حکم سنانے کے بعد پاؤں سے بیڑیاں نکلوانے کا حکم دیا۔ اور فاضل تیار رکھنے
کے لئے حکم دیا۔ تاکہ بھاگ نہ جاوے۔ رات کو بھیر بچھو کی فوج اتر آئی۔ اور بیداری ہی
علی الصبح ہم تمام ملزم اٹھ کر پولیس کے ہمراہ ڈیال پور نہانے کیلئے گئے۔ واپس آنے پر
پولیس قیدیوں کو دیکھنے کے لئے آئے۔ ان کے بعد سپرنٹنڈنٹ صاحب جیل بھی
تشریف لائے۔ اور بستر وغیرہ دیکھنے کے بعد ہمارے تمام خطوط اور اخبار یہی پیش ہوئیں
جن کو لباس پڑھنے کے ہمارے حوالے کئے گئے۔ اور ایک خط جو کلاچی سے آیا تھا اس کے
بموجب کہنے ہمارے ایک ہمارے لفافہ میں رکھا گیا۔ اور ایک تار بھی ہماری آئی جو ابھی تک
نہیں ملی۔ تاکہ کپتان صاحب اور ڈپٹی کمشنر کے پاس تاحال موجود ہے۔ ۱۲ بجے بخار سے
سر میں درد شروع ہو گئی۔ آخر چار بجے شام سے اوبکائی شروع ہوئی۔ اور بخار چڑھ گیا
اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے سیٹھ آتم چند بھاٹیا و سیٹھ پیرا رام ڈھینگڑہ جیسے
متمول آدمیوں کی ضمانت لینے سے انکار کیا۔ اور وارنٹ جیل میں بھیج دیا۔

سپرنٹنڈنٹ جیل نے ہمارے لئے یہ حکم نافذ فرمایا کہ مشقت سے مشقت کام پر لگایا
جاوے۔ اور فوراً قیدیوں کی پوشاک دینے اور تنہائی کی کوٹھڑی میں ان کو ڈالنے کے
لئے داروغہ صاحب جیل کو لکھا۔ حالانکہ دس دن باہر کوارنٹین میں رہ کر ورزش بہت کام
لیا گیا۔ یہ تمام باتیں ہمارے لئے نظر انداز کی گئیں۔ اور ہم نے داروغہ صاحب کی خدمت
میں بخار ہو جانے کے باعث صرف آج رات باہر رہنے کی التجا کی۔ مگر سارجنٹ نے
بھی ہمیں اپنی زیر حراست رکھنے سے انکار کیا۔ اور داروغہ صاحب نے بھی اپنے افسر بالا
کے حکم بالا کی تعمیل کرکے ہی وردی کے لئے جیل خانہ کے سپاہی کو حکم دیا اور ہم نے قیدیوں کی
وردی پہن لی۔ مگر پیاس بخار کے باعث زیادہ لگ رہی تھی۔ اور گھبراہٹ بھی کافی تھی
سر درد بیقرار کئے جاتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اور داروغہ صاحب نے اس امر کی اطلاع سپرنٹنڈنٹ
جیل کو دینے کے لئے راضی ہو گئے۔ اور ہم ایک تنہائی کی کوٹھڑی میں ڈالے گئے جہاں
کہ پیشاب کا لوٹا اور پاخانہ کرنے کے لئے ایک پاٹری موجود تھی۔ اور ایک چٹی لگی ہوئی

اندرون جیل کی کہانی

(لالہ منگے دیال ایڈیٹر اخبار جھنگ سیال کے قلم سے)

۱۳ تاریخ ماہ اگست ۱۹۰۸ء کو جب مجھے حضور فیض گنجور جناب فیض دریائے رحمت پنڈت جوتی پرشاد صاحب بہادر ڈسٹرکٹ جج نے ۱۸ مہینہ کی قید محض اور پانچسو روپیہ جرمانہ کی سزا عنایت فرمائی"۔ کوئی گھبراہٹ مجھے نہیں آئی۔ بلکہ میں گھر ہی سے تیار رہتا ہو گیا تھا۔ والدہ سے پیار لے گیا تھا۔ عورت کو جیتم پاس سے دیکھ گیا تھا بچوں پر نظر حسرت ڈال گیا تھا کیونکہ مجھے حضور اور حضور کے لئو سے اس بات کا پہلے ہی یقین تھا کہ خواہ دنیا کی ہوا ادھر سے ادہر کیوں نہ ہو جائے۔ پنڈت صاحب موصوف مجھے جیل کی روٹی ضرور ہی کھلا کر چھوڑینگے جج صاحب نے جو حکم دیا اور جس انداز سے دیا۔ اس کی نسبت تو ایڈیٹر صاحب نے وضاحت سے لکھ دیا ہے

میں نے تو یہاں صرف جیل کے اندرونی حالات لکھنے کے لئے قلم اٹھایا ہے۔ قید چونکہ محض تھی اس لئے وہی کپڑے رہنے دئے گئے جو میں پہنے ہوا تھا۔ داروغہ صاحب نے ایک قیدی نمبردار کے ہمراہ مجھے جیل کے اندر بھیجا جیل ایک بڑے فراخ میدان میں واقع ہے اور ساده ہی بڑی خوفناک جگہ ہے قیدیوں کی بارکوں اور کوٹھیوں کے علاوہ جو کوٹھے کے ساتھ ساتھ واقع ہیں۔ درمیان ایک ہسپتال ہے۔ اور ایک کنواں بھی ہے ہسپتال کے برآمدے میں ایک جمعدار کرسی پر بیٹھا ہوا اپنے فرائض منصبی میں مصروف تھا میرے محافظ قیدی نمبردار نے مجھے اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے چند ضروری امور یعنی نام وغیرہ دریافت کر کے مجھے دیوانی والوں کی ایک کوٹھڑی میں جو تین آدمیوں کے لئے مخصوص ہے۔ اور اس وقت بالکل خالی پڑی تھی۔ داخل کر کے اور ایک چٹائی دو کمبل ایک لوہے کی تھالی ایک لوہے کا کٹورا اور ایک لوٹا پانی کا میرے سپرد کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد روٹی آئی۔ روٹی کیا تھی، دو بالکل کچی چپڑی چھٹی ساده کی پکی ہوئی رکھ گیا

اور ساتھ اروی کی دال۔ روٹی تو میں نے ایک پانی کے گھونٹ کے ساتھ کھالی لیکن دال
کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ کیونکہ اس سے ایک انوکھی قسم کی بو آتی تھی۔ سارا دن میں اندر دھکا
رہا۔ شام کو ایک گھنٹہ باہر ٹہلنے کی اجازت دی گئی

ہاں میں بھول گیا میں نے اندر ہی سے کوئی دو بجے کے قریب صاحب ڈپٹی کمشنر
بہادر کو جیل کے صحن میں سیر کرتے دیکھا۔ اور منتظر رہا کہ حضور میرے غریب خانہ پر بھی تشریف
شریف لاتے اور قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ مگر یہاں حضور دروازہ کے سامنے لیکن ٹھٹک گئے
اندر داخل نہ ہوئے۔ مجھے ایک نمبردار قیدی نے بتایا کہ حضور ہدایت فرما گئے ہیں کہ کسی قسم کی
بے ضابطگی عمل میں نہ آئے۔ نیز اس نے یہ بھی بتلایا۔ کہ ایسے دوپہر کے وقت آج تک حضور نہیں
آئے۔ اور آج حضور کا آنا خالی از علت نہیں وغیرہ وغیرہ۔

رات کو پھر روٹی آئی۔ اور اس کے ساتھ ساگ آیا۔ ساگ کا بھی وہی رنگ تھا۔ یعنی
نہ کھایا گیا۔ صبح کی طرح پانی کے گھونٹ کے ساتھ ایک روٹی کھائی اور کمرہ کے اندر اندر
ہی ٹہل ٹہل کر رات کے دس بجا دیے۔ صبح اٹھا۔ اور دیکھا تو بادل تھا آسمان بادلوں
سے گھرا ہوا تھا۔ اور ساری رات برستا رہا اب بھی اسی حالت پر چھم چھم برس رہا تھا۔ میں
ضروری حاجات سے فارغ ہو کر ابھی آسن پر بیٹھا ہی تھا۔ کہ روٹی آ گئی۔ اب میں نے یہ
خیال کیا کہ آخر تو سپاہی بھی روٹی اور دال کھاتے ہیں۔ تاکہ یہ تجربہ کر دیکھیں۔ پھر دو لقمے روٹی
ور دلیتں کیسے کچھ کوئی آدھی روٹی دال سے اتاری۔ اور اسی طرح آہستہ آہستہ کھانے لگ پڑا
آم کا اچار بھی کبھی کبھی مل جاتا تھا۔ جب دل کچا ہوتا تو تھوڑا سا اچار منہ میں ڈال لیتا۔ اسی
طرح منگل وار سے لیکر سوموار تک دن کاٹے۔ بستر کو شامت ہو گئی چونکہ میں ایک نہایت
اور بدن سخت تھا۔ اس لئے مجھے ابتدا میں بیٹھا رہنا ایک جگہ پر بیکار پڑا رہنا بڑا ناگوار گذرتا
تھا۔ اور اسی وجہ سے کمرے کے صحن میں جس کی چھت آسمان تھی پھرا کرتا تھا اس لئے
اس بد پرہیزی کی مجھے یہ سزا ملی۔ کہ ۲۔۳ اور ۴ تاریخ کو میں بیمار ہو گیا۔

ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے کونین کے ڈوز کے دو پلائے اور بخار سے
چھوڑا کر دیا ہے یہ تو تھی میری کیفیت اب باقی جیل کی نسبت عرض

جیل ایک نہایت بری جگہ ہے۔ میرے خیال میں اگر کوئی دوزخ ہے تو یہ ہے یہاں خونی ڈھونڈو تو ملتے ہیں۔ ڈاکو ڈھونڈو دغا باز بدمعاش۔ چور۔ ٹھگ۔ غرضیکہ ہر ایک قسم کا بد اخلاق شخص ملتا ہے۔ اگر سچ پوچھو تو جیل دنیا میں گرے ہوئے بداخلاق لوگوں کا ایک قسم کا شہر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہاں ایک بھی نیک بات سننے میں نہیں آتی۔ جس طرف سنو فحش۔ بکواس۔ گالیاں۔ جن کا کم از کم میں اعادہ نہیں کر سکتا۔ سنی جاتی ہیں۔ میں نے کئی ایسے قیدی دیکھے۔ جو کئی کئی بار چوری یا ڈکیتی وغیرہ میں قید ہو کر آئے تھے۔ اور مونچھوں پر تاؤ دیتے پھرتے تھے۔ ہاں ان میں کئی ایسے قیدی بھی تھے جو میری طرح بیگناہ قید ہو کر آئے تھے۔ اور چپ چاپ صبر و شکر سے اپنا کام کرتے پھرتے تھے۔ میں نے کئی ڈاکوؤں اور چوروں کی سزائیں دیکھیں۔ جن کو سال سال ڈیڑھ ڈیڑھ سال کی سزا تھی۔ اس وقت مجھے خیال آتا کہ ایسی سزا تو ان ڈاکوؤں سے بھی بڑھ کر تھا؟! اگر جج صاحب ملتے تو ان سے پوچھتا ضرور۔ لیکن اتنے بھاگ کہاں! جج صاحب جیل میں ایک دن آئے بھی لیکن ٹال کر گئے۔ مجھے ایک جمعدار جیل کی بات بڑی پسند آئی۔ اس نے ایک قیدی کی اس درخواست پر کہ مجھ پر رحم کرو۔ کہا کہ "کیوں؟ قیدی پر رحم کرنا گناہ ہے۔ جب کہ خدا نے تمہیں ستا رکھا ہے تو ہم تم پر رحم کر کے خدا کے کیوں گنہگار ٹھہریں۔ ہاں ہم تو تمہیں ستائیں گے اور خدا کا حکم بجا لائیں گے۔"

بہت سے ایسے قیدی بھی میں نے جیل میں دیکھے جن کا جرم نہایت ہی خفیف سا تھا لیکن سزائیں ان کو بہت زیادہ سخت دی گئی تھیں۔ مجسٹریٹوں نے سالوں کو گویا زیادہ سے زیادہ دن سمجھ رکھا ہے۔ فوراً لبوں پر اٹھتے ہیں۔ دو سال چار سال۔ ایک دن کاٹنی پڑے تو نانی یاد آ جائے۔ لہذا مجسٹریٹوں کو چاہیے کہ سوچ سمجھ کر سزا دیا کریں۔ میری رائے میں مجسٹریٹ وہ ہونے چاہئیں جنہوں نے کم از کم سال یا چھ ماہ کی قید کی [illegible] کر دیں گے۔ [illegible]

شعرا و فقرا ہر حال میں راضی اور خوش رہ سکتے ہیں۔ کہ فقیر کے دل پر بھی ان واقعات و حالات کا ذرہ برابر بھی مضر اثر نہ ہوا۔ بلکہ حسن پرستی و وطن پرستی کے جذبات نے نمایاں بلندی حاصل کی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

"میری اسیری کے ایام"

(لالہ لاجپت رائے جی کے قلم سے)

میں ۱۶ مئی ۱۹۰۷ء کو ماٹلے پہنچا۔ گاڑی پر سوار ہو کر سٹیشن سے قلعے کو پہنچے اسسٹنٹ کمشنر رنگون پولیس جو رنگون سے ساتھ ہوئے تھے۔ اور یوروپین انسپکٹر جو لاہور سے ساتھ آیا تھا۔ میرے ہمراہ تھے سٹیشن سے قلعہ کو جاتے ہوئے ایک پیچیدہ اور میرا آباد راستہ اختیار کیا گیا آباد حصوں سے بچا کر گاڑی لے گئے قلعہ کی نسبت میرا تصور جو کچھ تھا۔ دراصل قلعہ اس سے بالکل مختلف قسم کا نظر آیا۔ میرا خیال تھا۔ کہ یہ قلعہ تنہائی میں بلند جگہ پر بلند فصیل سے گھرا ہوا اور اسی قسم کا ہوگا۔ کہ جس قسم کے قلعوں کا ذکر ناولوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ قلعہ درحقیقت میدان میں بنی ہوئی عمارتوں کا مجموعہ اور شہر ماٹلے کا ایک حصہ تھا۔ گو اس کے گرد اونچی دیوار موجود تھی۔ اور گرداگرد ایک گہری خندق پانی سے بھری ہوئی تھی قلعہ کے جنوبی دروازے سے داخل ہو کر شاہی محلات اور شاہی قبرستان کے پاس سے گذرتے ہوئے ہم انگریزی طرز کے بنے ہوئے خوبصورت بنگلے کے سامنے جا ٹھہرے۔ ایک افسر بنگلے سے نکل آیا۔ یہ جیل کا سپرنٹنڈنٹ تھا اور ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ لاہور کے پولیس انسپکٹر نے وارنٹ سپرد کی۔ ساڑھے تین سو روپیہ کے نوٹ۔ میری گھڑی اور زنجیر سپرنٹنڈنٹ کے حوالے کرکے میری اور مذکورہ اشیا کی رسید لے لی۔ یہ ساری کارروائی دفتر کے کمرے میں ہوئی ہی

کمرہ سپرنٹنڈنٹ کی خوابگاہ تھا۔ اس کا بستر وغیرہ بھی وہیں پڑا تھا۔ وارنٹ کی
پشت پر پھر میرے دستخط کرائے گئے اور انسپکٹر نے ان اشیاء کے لئے
جو اس نے میرے لئے سفر میں بہم پہنچائی تھیں مجھ سے رسید لکھوائی۔ مجھے بنگلہ کی
بالائی منزل پر ساتھ لے گیا۔ اور مجھے بتلایا۔ کہ وہاں عارضی طور پر رہائش کے
لئے دو کمرے مہیا کئے گئے ہیں۔ اس کی عادات اور طریق رہائش بالکل سادہ بلا
تصنع تھا۔ اس نے خوراک کے بارے مجھ سے دریافت کیا اور میں نے جواب
دیا۔ کہ کسی بنگالی رسوئیے کی تیار کردہ ہندوستانی قسم کی خوراک میرے پسند
خاطر ہوگی لیکن اس کا انتظام ہونے تک مجھے انگریزی قسم کا کھانا کھانے میں
کوئی عذر نہیں۔ اس نے ایک مدراسی ملازم کو بلا کر کھانا تیار کرنے کے لئے حکم دیدیا۔
سپرنٹنڈنٹ میرے ساتھ نہایت مہربانی سے بات چیت کرتا تھا۔ اس نے مجھے
یقین دلایا کہ میرے آرام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے گی۔ میں نے کہا کہ میری
سب سے مقدم ضرورت یہ ہے کہ آپ چند قمیصیں موسم گرما کے لئے تیار کروا
دیں۔ اور ایک سوٹ گرمی میں پہننے کا بنوا دیں۔ اس نے دوسرے دن کا وعدہ
کیا۔ پھر میں نے اس سے درد جگر کی شکایت کی۔ اس نے میری آنکھیں اور زبان
دیکھی۔ اور دوائی دینے کو کہا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے رخصت ہوا۔ اور میں آرام
کرنے کو لیٹ گیا۔ برما پولیس کے آٹھ سپاہی ایک انگریز جی دار بڑا سب
انسپکٹر اور ایک یورپین سارجنٹ میری نگہداشت کے لئے تعینات ہوئے
تھے۔ رات کے وقت سیڑھیوں پر ڈبل پہرہ ہوتا تھا۔ سب انسپکٹر اور پولیس
رات کے وقت مجھے کئی بار دیکھنے کو آتے تھے کہ میں کہیں فرار تو نہیں ہو گیا۔
کبھی کبھی گشت کرنے والے افسر بھی آجاتے۔ سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے وعدہ
لے لیا کہ میں بھاگنے کی کوشش نہ کروں گا۔ پہلی رات سویرے میں ہی پہلے
میں غسل خانہ میں چلا گیا۔ میری عدم موجودگی میں یورپین سارجنٹ آیا۔ اور
مجھے کمرہ میں موجود نہ پا کر فوراً تلاش شروع کر دی۔ اس کی گھبراہٹ دیکھ کر

کے لئے میں نے غسل خانہ سے آواز دی۔ بعد میں میرے لئے دوسری جگہ کا بندوبست ہو گیا۔ یہ نیا مکان سپرنٹنڈنٹ کے مکان کے قریب محلات کے پائیں باغ کے متصل اور پہلے مکان سے شمال کی طرف واقع تھا۔ دو دن میں سپرنٹنڈنٹ کے مکان میں رہا۔ اور تیسرے دن نئے مکان میں آ گیا۔ اس اثنا میں میں نے چند پنجابیوں کو سڑک پر سے اپنی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ بعض نے مجھے سلام بھی کیا۔ جس کا جواب دیکر میں نے اشارے سے کہا۔ کہ وہ ٹھہریں نہیں بلکہ چلے جائیں۔ مدراسی باورچی انگریزی قسم کا کھانا تیار کرتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی پنجابی رسوئیا پنجابی کھانا میرے لئے تیار کیا کرے۔ مگر میری درخواست منظور نہیں ہوئی تھی۔ اور جواب یہ دیا جاتا۔ کہ ماڈلے میں کوئی پنجابی رسوئیا رکھنا خلاف مصلحت معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اپنی عرضداشت مورخہ ۱۹ جون میں جو وائسرائے کو بھیجی گئی۔ یہ لکھا۔ کہ مجھے کوئی اپنا خدمتگار پنجاب سے منگوانے کی اجازت دی جائے مگر ۴ اگست کو جواب آیا۔ کہ یہ درخواست منظور نہیں ہو سکتی۔

۹ اگست کو ڈپٹی کمشنر مجھے ملنے آئے اور دریافت کیا۔ کہ انتظام خورد و نوش کے متعلق کوئی شکایت تو نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ اس انتظام کی بابت کسی پنجابی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے کو ترجیح دیتا ہوں۔ کیونکہ میں اسی قسم کے کھانے کا عادی ہو گیا ہوں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب ایک پنجابی سویلین کے صاحبزادے تھے۔ اور غالباً کچھ مدت تک آپ کو پنجاب میں رہنے کا بھی تجربہ تھا۔ مگر آپ یہ سنکر حیران ہو گئے۔ کہ مدراسی باورچی پنجابی قسم کا کھانا نہیں بنا سکتا۔ میں نے مدراسی اور پنجابی کھانے کا فرق آپ پر واضح کر دیا۔

۲۳ اگست کو سپرنٹنڈنٹ صاحب شام سے کچھ دیر بعد ۸ اور ۹ بجے کے درمیان میرے پاس آئے اور خوراک کے متعلق دریافت کرنے لگے۔ میں نے وہی کہا۔ جو ڈپٹی کمشنر کو کہا تھا۔ اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا۔ کہ جب تک مجھے یقین نہ ہو کہ جس قسم کی خوراک کا میں عادی ہوں۔ اس قسم کی خوراک کا انتظام

خاطر خواہ کیا گیا ہے۔ میں موجودہ انتظام میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتا۔ سپرنٹنڈنٹ نے اس
وقت اور وہیں کمشنر صاحب کو ایک چٹھی تحریر کی۔ اور جو مکالمہ اس کے اور میرے
درمیان ہوا تھا۔ وہ اس چٹھی میں درج کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ۴ اکتوبر کو رنگون
سے ایک بوڑھا سکھ باورچی میرے لئے بھیجا گیا۔ میں نے اس کو دیکھتے ہی بھانپ لیا
کہ وہ باورچی نہیں تاہم ایک پنجابی کے ساتھ اگرچہ مجھے شبہ تھا کہ وہ کوئی خفیہ خدمت انجام
دینے کے لئے انتخاب کیا گیا ہو۔ اپنی مادری زبان میں کچھ باتیں کرنے کا موقعہ ملنے
سے خوشی ہوئی۔ اس لئے میں نے اس کو پاس رکھ لیا۔ اس نے دو دفعہ کھانا پکایا
اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تبدیلی پہلے انتظام سے بہتر نہیں ہے۔ دریافت کرنے پر
معلوم ہوا۔ کہ یہ بوڑھا پنجابی سکھ ریاست پٹیالہ کا باشندہ ہے۔ ساری عمر
کاشتکاری میں گذری۔ ایک سال کا عرصہ ہوا برہما میں اپنے بھائی کو ملنے آیا تھا
جو فوج میں ملازم ہے۔ اور کچھ روپیہ پیدا کرنے کے لئے برہما میں ٹھہر گیا۔ اس نے بھی
معلوم کر لیا۔ کہ اس کے پکائے ہوئے کھانے سے میری تسلی نہیں ہوتی۔ کہنے لگا۔ کہ
میں آپ کے درشن کرنے کو آگیا ہوں۔ ورنہ اس نوکری سے روپیہ کمانے کا خیال نہ
تھا۔ اور میں صبح ہی رنگون واپس جانے کو تیار ہوں۔ میں نے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو
چٹھی لکھی۔ اور اصل حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ دوسرے دن صبح ہی سپرنٹنڈنٹ
حسب معمول گشت پر آیا۔ اور بوڑھے سکھ نے اس سے رنگون واپس جانے کی اجازت
طلب کی۔ اس طرح خوراک کے متعلق پہلا انتظام پھر قائم ہو گیا۔ اور وہاں تک برابر
جاری رہا۔ خوراک کی اشیا کا انتظام سپرنٹنڈنٹ صاحب کے اردلی کے سپرد تھا
حقیقی باعث خوراک کا انتظام ناقابل اطمینان ہونے کا یہ تھا۔ کہ انتظام اس
ادنیٰ الطبع انسان کے ہاتھ تھا۔ سپرنٹنڈنٹ کو اس پر بہت اعتبار تھا۔ وہی خوراک
کے متعلق حکم دیتا۔ وہی نوکروں پر حکومت کرتا۔ وہی حساب رکھتا اور وہی ان کے
لئے ضروری اشیا خرید کرتا۔ پہلے ہی ہفتہ مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ وہ کوئی دیانتدار
شخص نہیں ہے۔ اگر پھل یا سبزی ترکاری تبدیل کرنے کو کہا جاتا۔ تو اس سے انکار ہوتا

کہ وہ پھل یا ترکاری مہنگی ہے اور سپرنٹنڈنٹ صاحب کی خاص اجازت کے بغیر خریدی نہیں جا سکتی۔ باورچی کی کمینہ حرکتیں میرے لئے تو زیادہ تکلیف دہ تھیں۔ کیونکہ میں جس چیز کی جب کبھی ضرورت ہوتی تھی۔ اپنے روپیہ سے منگوا لیا کرتا۔ اصلی امر سخت اس شخص کی بابت تھی۔ علاوہ ازیں مدراسی ملازم بھی (۳۲۱)۔ کے اشارے پر کبھی کبھی گستاخانہ لہجہ اختیار کر لیتا۔ سب سے زیادہ رنجیدہ بات یہ تھی۔ کہ جب کبھی سپرنٹنڈنٹ سے کچھ کہا جاتا تو وہ بات کو ملازموں پر چھوڑ دیتے۔ جب کوئی شے مانگی جاتی تو جواب ملتا کہ "اچھا آپ اپنے ملازم سے منگوا لیں"۔ بعض اوقات کہتا "اپنے ملازم سے کہیں"۔ ملازم کو کہا جاتا تو وہ جواب دیتا کہ خانساماں کی اجازت نہیں۔ یہ تنگی انتہائے کمال کو پہنچ چکی تھی ۲۲ ستمبر کو مدراسی باورچی حسب معمول سپرنٹنڈنٹ کے باورچی خانہ سے پکا کر میرے لئے کھانا لایا اس میں سبزی ترکاری بالکل نہ تھی میں نے تھوڑا کھانا کھایا۔ اور باقی واپس کر دیا۔ مدراسی نے باورچی خانہ میں جا کر خانساماں سے ذکر کیا اور خانساماں نے سپرنٹنڈنٹ کے پاس یہ بات جڑ دی کہ میں ایک خاص ترکاری مانگتا ہوں۔ جو بازار میں نہیں ملتی۔ اور وہ ترکاری نہ ہونے کی وجہ سے میں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ سپرنٹنڈنٹ فوراً جامہ سے باہر ہو گیا۔ وہ صرف قمیص پہنے بیٹھا تھا۔ اور قمیص کے بھی بازوؤں کے بٹن کھلے تھے اسی حالت میں اٹھ کر میری طرف چلا آیا۔ میں صحن میں بیٹھا تھا۔ اور لیوپین سارا اپنے بستر پر لیٹا تھا۔ کہ اچانک حیل کا خداوند نازل ہوا۔ اور مجھ سے پوچھا کہ خوراک آپ کے لئے تیار کی گئی تھی۔ اس کو واپس کیوں کر دیا گیا میں نے کہا کہ کھانے میں جو مجھے موافق تھا۔ وہ میں نے کھا لیا۔ اور جو میرے موافق نہ تھا۔ وہ میں نے واپس کر دیا۔ مجھے خاص قسم کا کھانا کھانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا میں اپنے کھانے کے ساتھ سبزی ترکاری کی زیادہ مقدار پسند کرتا ہوں سپرنٹنڈنٹ کہنے لگا کہ سبزی ترکاری کے لحاظ سے مانڈلے بہت خراب ہے۔ یہاں ترکاریاں بڑی مہنگی ملتی ہیں اور آٹھ یا بارہ آنہ فی سیر قیمت کی ترکاری منگوا کر وہ نہیں دے سکتا۔ میں نے جواب میں کہا

کہ جو کچھ میری خوراک پر خرچ ہوتا ہے۔ میں اس سے زیادہ خرچ کروانا نہیں چاہتا
مگر میں اسی قیمت کی بلکہ اسی خرچ پر خاص خوراک چاہتا ہوں۔ میں نے یہ بھی کہا
کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ کہ میں نے بالکل کھانا نہیں کھایا۔ سبزی یا ترکاری بازار میں
نہ ملنے کے متعلق میں نے کہا۔ کہ یہ بھی سراسر جھوٹ ہے۔ کیونکہ یہ لوگ میں سارجنٹ
کئی قسم کی ترکاریاں خود خرید کر لایا ہے۔ اس پر سپرنٹنڈنٹ جیل سارجنٹ کے
گلے کا ہار ہو گیا۔ اس سے کہنے لگا۔ کہ اسیران سلطانی کے ساتھ ان باتوں کے متعلق
گفتگو کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔ اور نہ ہی میرے نزدیک یہ غلطی پکڑنا تمہارا
کام ہے۔ بیچارے سارجنٹ نے قدرے عذر خواہی کر کے کہا۔ چونکہ اس کے
لئے جو کھانا آیا۔ اس میں سبزی موجود تھی۔ اس موقعہ پر سپرنٹنڈنٹ نے نرم لہجہ
اختیار کر لیا۔ اور کہنے لگا کہ جو رقم گورنمنٹ نے منظور کر رکھی ہے۔ اس میں اچھی سے
اچھی میرے حسب پسند دی جا سکتی ہے۔ اور حقیقت میں میرے خرچ خوراک
سے آپ کا خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ اور غالباً ملازم یا ملازمین اس میں خیانت کرتے
ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کے خرچ سے میرا خرچ زیادہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو
سکتی۔ کیونکہ میں بہت تھوڑا کھاتا ہوں۔ اور علاوہ ازیں پھل۔ بسکٹ۔ مربہ
وغیرہ پر میں اپنی گرہ سے خرچ کرتا ہوں۔ اب سپرنٹنڈنٹ نے اور پہلو بدلا کہنے
لگے مجھے ان باتوں کی طرف دھیان کرنے کو وقت نہیں میں اپنا ہی انتظام درست
نہیں رکھ سکتا۔ تو دوسروں کا کس طرح کر سکتا ہوں۔ جو بل پیش ہوتے ہیں بدوں
دیکھے بھالے بغیر پاس کر دیتا ہوں۔ اگر براہ راست میرے پاس شکایت ہو اور
ملازموں سے شکایت نہ کی جائے تو میں خوش ہوں گا۔ اور رفع شکایت کا خیال
رکھوں گا۔ میں نے جواب دیا۔ کہ میں کوئی شکایت نہیں کرنا چاہتا۔ اگر ملازم میری
پسند کی ترکاری لانا چاہیں۔ تو میں وہ اپنے خرچ سے منگوا لیا کروں گا۔ اس پر
سپرنٹنڈنٹ نے بتلایا۔ کہ کسی بنگالی رسوئیے کی تلاش ہو رہی ہے اور اس کے ملنے
پر ساری شکایت دور ہو جائے گی۔ اس طرح اس گفتگو اور مکالمہ کا خاتمہ ہوا۔

اس کے بعد چند روز تک میری مرضی کے مطابق بشری ترکاری ملتی رہی۔ مگر پھر
تمہاں آتش دو کا سٹہ کا معاملہ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ جو میں پایا جاتا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ
کا خانساماں اس کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ چیزوں کی خرید میں بہت کچھ گول مال کیا جاتا تھا۔ یہ
خیال کر کے کہ بار بار شکایتیں کرنا سخت ناگوار ہے میں نے ۱۲/ اکتوبر کو سپرنٹنڈنٹ کے
نام چٹھی لکھی۔ کہ خوراک کے متعلق یہ ضروری اور مناسب ہے۔ کہ وہ میرے حکم سے کی
جائے۔ میں نے اسی چٹھی میں یہ بھی لکھا کہ میں خوراک وغیرہ کا حساب بھی رکھ سکتا ہوں
تاکہ جو چیزیں میرے لئے خرید نہیں کی جائیں۔ وہ حساب میں درج نہ ہوا کریں۔ اور
خرچ اس سے زیادہ نہ ہو۔ جو اس وقت آپ کے انتظام میں ہوتا ہے۔ میں نے یہ بھی لکھا
کہ کھانا تیار کرنے میں گھی خراب استعمال کیا جاتا ہے اور چاول بھی اچھے نہیں آتے
ضروری ہے کہ کھانا احاطے کے اندر تیار کرے۔ سپرنٹنڈنٹ نے حسب معمول اس چٹھی
کا زبانی جواب دیا۔ کہ باورچی کو احاطے میں کھانا پکانے کا حکم دیدیا گیا ہے۔ اور دوسری
باتوں کا جواب بعد میں غور کر کے دیا جائیگا۔ مگر اس کے متعلق بعد میں کبھی کارروائی نہ ہوئی
سپرنٹنڈنٹ کے خانساماں کی حکومت بدستور جاری رہی۔ اس لئے سوا اس
کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ اپنے خرچ سے من بھاتی اشیا منگوالوں اور اس بات
کی مطلق پرواہ نہ کروں۔ کہ گورنمنٹ میری خوراک کے لئے کیا کچھ بہم پہنچاتی ہے۔
چونکہ لاہور میں گرفتاری کے دن میں جگر میں کچھ تکلیف محسوس کرتا تھا سفر سے کچھ
تبدیلی نہ ہوئی۔ جس دن میں مانڈلے پہنچا۔ یہ تکلیف اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ قید کی حالت
تنہائی کا عالم۔ ناکافی ورزش۔ ناواجب سختی اور ذلت کا رنج ہمخیال دوستوں کی عدم
موجودگی اور دیگر اسی قسم کے بواعث کا لازمی نتیجہ یہی ہونا لازم تھا۔ کہ پرانی بیماریاں
زور پکڑ جاتیں۔ ابتدائی دنوں میں ان تکالیف کے ہاتھوں مشکل سے کاٹے۔ کم بخت سا
پریشان اور موجودہ حالات سے مانوس ہو جانے کے باعث حالت میں بہتری کی صورت ہو گئی
بے خوابی کا سبب ایک اور بھی تھا۔ وہ یہ کہ گھر پر گرمی کے موسم میں میں کھلی
ہوا میں سونے کا عادی تھا۔ مانڈلے میں مجھے ضرورتاً چھت کے نیچے سونا پڑتا تھا۔ اور

نکھے کا بھی کوئی انتظام نہ تہا کہیں پہلے ذکر ہو چکا تھا۔ کہ بعض اوقات تمام رات پنکھا ہاتھ میں لیئے کاٹنی پڑتی تہی۔ کبھی آنکھ لگ جاتی۔ تو مارے گرمی کے جلد ہی جاگ پڑتا۔ پنکھا ہاتھ سے گر جاتا۔ پھر آخر تھک کر پھر آنکھ لگ جاتا۔

جو سرکاری عہدیدار مجھے ملنے آتے تھے۔ وہ یوں تو میری صحت کا بڑا فکر ظاہر کرتے مگر ترقی صحت کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل اور ڈپٹی کمشنر لمبی سیر پر زور دیتے۔ مگر لمبی سیر کرنے میں جو مشکلات تھیں۔ ان کا خیال نہ کرتے۔ یورپین سارجنٹ دن میں دو دفعہ سیر کو جانے پر رضامند نہیں تھے۔ علاوہ بریں وہ لمبی سیر کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں وردی پہنکر کسے ہوئے پستول، تلوار اور چند بھری گولیاں ساتھ لیکر جانے کا حکم تہا۔ پولیس چوکی نمبر ۱ میرے بنگلے سے دو میل کے فاصلہ پر کہی جاتی تہی۔ موسم گرما کی دہوپ میں انہیں کوٹھی سے بنگلے تک آنا پڑتا تھا۔ کیونکہ رات کے پہلے پہر اور عادی رات کو انہیں افسروں کے گشت آنے اور پہرہ کی وجہ سے جاگنا پڑتا تھا۔

لاہور میں گرفتاری کے دن سے لیکر مانڈلے میں بحالت نظر بندی، اور پھر معزولی میانمیر کے سٹیشن پر رہائی ہونے کے وقت تک نہایت احتیاط سے میری نگرانی کی جاتی رہی افسروں اور مقررہ ملازموں کے سوا کوئی شخص نہ تو میرے پاس آسکتا تہا۔ نہ کوئی بات کرسکتا تہا۔ اس عرصہ کے درمیان میرے دوستوں یا رشتہ داروں میں سے کسی کو مجھے ملنے کی اجازت نہ ملی۔ اگست میں مجھے اطلاع دی گئی۔ کہ اگر میرا کوئی رشتہ دار گورنمنٹ پنجاب سے اجازت حاصل کرکے مجھے ملنا چاہے۔ تو گورنمنٹ ہند کو اعتراض نہ ہوگا۔ اگست کے آخیر یا اکتوبر کے شروع میں میرے چھوٹے بھائی لالہ دھنپت رائے بی اے ایل ایل بی وکیل فیروزپور نے مجھے ملنے کی اجازت طلب کی۔ سر ڈینزل ابٹسن کی گورنمنٹ نے اجازت دینے سے انکار کردیا۔ اس سے اور اسی قسم کی درخواستوں کا دروازہ بند ہوگیا۔

میری تمام خط و کتابت کا ملاحظہ کرلیا جاتا تہا۔ صرف چند خطوط کھلے ہوئے مجھے

دئے جاتے تھے کوئی خط کہ جس میں میری گرفتاری۔ جلاوطنی یا قید وغیرہ کے متعلق ذکر ہوتا
تھا مجھے نہیں دیا جاتا تھا۔ اور نہ ہی کوئی خط میرے تک پہنچنے دیا جاتا تھا۔ کہ جس
میں لاہور کے یا دیگر حصص ملک کے واقعات درج ہوتے تھے۔ جو خط میں اپنے دوستوں
کو لکھتا۔ اگر اس میں کسی قسم کی شکایات درج ہوتی۔ تو سپرنٹنڈنٹ اس کے بھیجنے کی
اجازت نہ دیتے مگر جس خط میں سپرنٹنڈنٹ کی نسبت کوئی تعریفی کلمہ لکھا ہوتا۔ وہ فوراً
روانہ ہو جاتا۔

مجھے کسی قسم کا کوئی اخبار دیکھنے کی ہرگز اجازت نہ تھی۔ یورپین سارجنٹوں کو حکم
تھا۔ کہ جب وہ میری نگرانی کرنے کی ڈیوٹی پر متعین ہوں۔ تو کوئی اخبار اپنے پاس نہ
رکھیں۔ جو کتابیں مجھے دیکھنے کو دی جاتیں۔ ان کو احتیاط سے دیکھ بھال لیا جاتا۔ اور
اسی طرح مطالعہ کر چکنے کے بعد واپسی پر ان کی سخت پڑتال کی جاتی۔

شروع شروع میں سیر کے وقت صرف ایک یورپین سارجنٹ ہوا کرتا تھا۔ اور
اس کو ہدایت تھی۔ کہ وردی پہن کر ساتھ جایا کرے۔ لیکن چند ہی روز بعد دو پولیس کنسٹبل
اور اضافہ کئے گئے۔ سڑک پر چلتے ہوئے کسی شخص کو میرے نزدیک آنے یا مجھ سے
گفتگو کرنے کا حکم نہ تھا۔ گو کبھی کسی نے میرے قریب آنے یا گفتگو کرنے کی کوشش نہ
کی۔ پولیس والے سفید وردی میں بنگلے کے ارد گرد اور سڑک پر عموماً ادھر ادھر نگرانی کرتے
ہوتے دیکھے جاتے تھے۔ کہ کوئی خط و کتابت تو نہیں کی جاتی۔ چند روز تک سڑک پر
گذرنے والے ہندوستانیوں کو تنگ کیا جاتا رہا۔ بعض پولیس افسروں نے کار گذاری کے
خیال میں ہندوستانیوں کا گذرنا ہی اس سڑک پر بند کر دیا۔ گاڑی پر گذرنے والے
مسافروں کو بھی روک دیا جاتا۔ اور کسی دوسری سڑک سے جانے کے لئے واپس کیا جاتا
برما کی پولیس میں زیادہ تر ہندوستانی اور عموماً پنجابی سپاہی اور افسر ہیں۔ اسیران
سلطانی کی نگرانی سے ان پنجابیوں کو عمداً الگ رکھا جاتا ہے۔ میرے ناٹ پہنچنے کے
وقت یورپین سارجنٹ کو ذاتی خدمت کے لئے ایک اردلی دیا جایا کرتا تھا۔ اور یہ اردلی
عموماً پنجابی مسلمان ہوتے تھے۔ چند روز پنجابیوں کی جگہ برمی اردلی سارجنٹ کو ملتا

وغیرہ لات کے لئے مقرر ہونے لگے۔ جو سڑکیں سیر کے لئے مقرر تھیں۔ وہ ایک کے
پاس سے ہو کر گذرتی تھیں۔ جس دروازے پر پنجابی سپاہیوں کا پہرہ ہوا کرتا تھا۔
ان کو بھی پہرے سے الگ کر کے ان کی جگہ پر ہماسفر مینا کے سپاہی تعینات کئے گئے۔
کچھ عرصہ تک مجھے سلام کرنیوالے ہندوستانیوں کو دھمکایا جاتا۔ اور انکی خفیہ طور
پر نگرانی کی جاتی۔ ایک شام کو دو ہندوستانی گرفتار کئے گئے۔ ان پر الزام تھا کہ وہ سڑک
پر پھرتے پائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو تنبیہ کر کے فوراً چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے کو کچھ
عرصہ تک روکا گیا۔ پولیس سپرنٹنڈنٹ نے آ کر اس کی ولدیت۔ سکونت اور پیشہ وغیرہ کے
متعلق کئی سوالات کئے۔ یہ شخص ایک مستعفی اور امیر تھا۔ اور اب برہما میں ٹھیکہ داری کا کام
کرتا تھا۔ اس سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا وہ مجھے جانتا ہے۔ اور اس نے سلام کیوں کیا۔
اس نے جواب دیا۔ کہ وہ مجھے عام شہرت سے جانتا ہے۔ اور مجھے ایک مہاتما اور بزرگ
انسان سمجھتا ہے۔ اور اس لئے میری عزت اور ادب کرنا اپنا فرض خیال کرتا ہے۔ اس
سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا وہ آئندہ نہ کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ اس کا جواب اس نے
نفی میں دیا۔ اس سے مانڈلے آنے کا سبب پوچھا گیا۔ اور اس نے جواب دیا کہ وہ
اپنے کاروبار کی وجہ سے پنجابیوں کی دھرم سالہ میں ٹھیرا ہوا ہے۔ اس کو تنبیہ کی گئی کہ وہ
اس طرف نہ آیا کرے۔ اور چھوڑ دیا گیا۔ اس سے مجھے سخت رنج ہوا۔ اور دوسرے دن
میں نے سیر کو جانے سے انکار کر دیا۔ میں نے اپنے ایک دوست کو لاہور میں چٹھی لکھی۔
اور اس میں اس واقعہ کا ذکر کیا اور لکھا کہ میں نے سیر کو نکلنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ میں
اپنے ہموطنوں کے اس طرح تنگ کئے جانے پر اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ سیر کو
نہ جایا کروں۔ میں نے اپنے دوست سے خواہش کی۔ کہ وہ کسی نہ کسی ذریعہ سے مانڈلے
میں موجودہ پنجابیوں اور ہندوستانیوں کو اطلاع دیدیں۔ کہ وہ سڑک پر مجھے سلام نہ کریں
کیونکہ اس سے مجھے فائدہ نہیں ہوتا۔ ان کو تکلیف دی جاتی ہے اور میری مشکلات بڑھ جاتی
ہیں۔ یہ چٹھی مجھے یہ کہکر واپس دیدی گئی۔ کہ اس قسم کی خط و کتابت کی اجازت نہیں دیجا
سکتی۔ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے آ کر مجھ سے سیر کو نہ جانے کی وجہ دریافت کی

نے وجہ ظاہر کردی۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کہا کہ وہ آدمی کئی بار سڑک پر پھرتا ہوا دیکھا
گیا تھا۔ اس لیے نوٹس لینا ضروری تھا۔ اور آئندہ اس قسم کا کوئی واقعہ وقوع پذیر نہ ہوگا
سپرنٹنڈنٹ جیل نے بھی مجھے یقین دلایا کہ جو لوگ مجھے سلام کرینگے۔ ان سے سخت قسم کا تعرض
نہ کیا جائیگا۔ مگر واقعی بات یہ ہے کہ سلام کی بندش بدستور جاری رہی۔ ایک مدت بعد
سپرنٹنڈنٹ جیل نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ کیا اب بھی کوئی سلام کرتا ہے۔ میں نے جواب دیا
کہ ہاں کوئی کوئی۔ کئی یورپین سارجنٹوں نے مجھے اطلاع دی۔ کہ ہندوستانی سپاہیوں
کو ہدایت کی گئی ہے کہ مجھے سلام نہ کریں۔ اور نہ ہی میرے بنگلے کے سامنے والی سڑک
سے گذرا کریں۔ لیکن کسی ایک نے ان ہدایتوں پر عمل کرنے کی پرواہ نہ کی۔ وہ برابر آکے
مجھے دیکھتے اور بعض اوقات سلام بھی کر دیتے۔ میں نے بھی کئی بار انہیں اشارہ کیا۔ کہ
وہ سلام وغیرہ نہ کیا کریں۔ مگر انہیں کوئی پرواہ نہ تھی۔ میں کئی حیلوں سے ایسے موقعہ
ٹالتا رہتا تھا۔ اگر میں کہیں دیکھ پاتا کہ کچھ پنجابی میری طرف آرہے ہیں۔ تو میں ارادتاً
دوسری طرف رخ کر لیتا۔ مگر وہ یا احاطہ میں چلتے پھرتے اگر ہندوستانی آتے دکھائی
دیتے تو میں کمرے کے اندر چلا جاتا۔ یا بنگلے کے دوسری طرف مڑ جاتا۔ بعض اصحاب بار بار
آتے اور معلوم ہوتا تھا کہ خواہ کچھ ہو۔ وہ مجھے ایک نظر ضرور دیکھ لینا چاہتے ہیں ایک
دن ایک سکھ اس لیے گرفتار کیا گیا۔ کہ سڑک پر کھڑا ہو کر مجھے دیکھنا چاہتا تھا۔ جب
اس نے مجھے برآمدے میں دیکھا۔ تو ادب سے جھک گیا۔ اس پر اسے گرفتار کر کے
ایک کنسٹیبل کی حراست میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بھیجا گیا۔ یہ شخص کسی قدر دلیر تھا۔ یہیں
سب انسپکٹر نے کچھ گندہ زبانی سے کام لیا۔ جس کا جواب بہادر خالصہ نے ترکی بترکی
دیا۔ میں نے سب انسپکٹر کو اس پر یہ الزام بھی لگاتے سنا۔ کہ اس نے مجھے جھک
کر سلام کیا ہے۔ سب انسپکٹر نے کہا۔ جب گورنمنٹ نہیں پسند کرتی کہ تم سلام کرو
تو تم کیوں جھکتے ہو۔ خالصہ کا جواب تھا۔ گورنمنٹ کسی قانون کے ذریعے ہمیں ایسا کرنے
سے نہیں روک سکتی۔" ایک دفعہ گورنمنٹ کے ایک دفتر کا چپڑاسی گرفتار کیا گیا۔ کیونکہ
اس نے مجھے دیکھ لیا۔ اور اظہار ادب کے لیے اپنا ہاتھ اٹھا دیا تھا۔ اس کو بعد میں جلد ہی

ہی چھوڑ دیا۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ معاملہ تو کہیں ڈائری میں درج ہوا اور نہ ہی اس کے
متعلق کوئی رپورٹ کی گئی۔ بطور اظہار ناراضگی میں سپرنٹنڈنٹ کی سادہ وہاں سے واپس آگیا۔
مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ گورنمنٹ اپنا وقار اور اقتدار قائم رکھنے کے لئے انتہائی درجہ
کی بیہودہ کارروائیاں کرنے کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ ایک دن ایک دس سالہ مسلمان
بچہ باہر سے مجھے سلام کر رہا تھا۔ اس کے باپ نے دور سے دیکھا۔ اور اس کو منع کرنے کے
لئے آواز دی۔ تاکہ وہ کہیں گرفتار نہ کر لیا جاوے۔ قلعہ میں پنجابیوں کی کثیر تعداد مختلف
محکموں میں کام کرتی تھی۔ وہ آتے جاتے مجھے برابر سلام کرتے تھے۔ بعض جھکتے بعض
چوری چوری اظہار ادب کرتے۔ تاکہ نگرانی والے نہ دیکھ پائیں۔ اور یہ نظارہ بڑا ہی
موثر ہوتا تھا۔ جو سڑکیں میری سیر کے لئے مقرر تھیں۔ ان پر یورپین عہدیداروں کے
بنگلے تھے۔ اور ان میں مدراسی ملازم رہا کرتے تھے۔ ان مدراسی ملازموں کے بچے میرے
آنے کا خیال رکھتے اور جب میرے سیر کو جانے کا وقت ہوتا۔ تو سڑک کے کنارے قطار
باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ اور مجھے سلام کرتے۔ ان کی محبت کا جواب دینا قدرتی تھا
میں ان میں سے اکثر کو تھپکی اور بعض اوقات پیسے دیا کرتا۔ صاحب متعینہ محافظوں نے تو
کبھی اس کا خیال نہ کیا۔ مگر ایک دن ایک محافظ سپاہی مجھ سے دریافت کرنے لگا۔
کہ آپ کا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ جب میں نے جواب دیا کہ میں انہیں جانتا تک نہیں
تو وہ ان بچوں کے اظہار محبت پر بہت متعجب ہوا۔ اور مسکرا کر خاموش ہو رہا۔

ایک دن صبح چار بجے میں بستر پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ کہ ایک سکھ کے بلند آواز
سے جپ جی پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ سارجنٹ نے اس پر شبہ کیا کہ وہ اپنی زبان
میں مجھے کچھ پیغام دے رہا ہے۔ اس کو فوراً بند کر دیا۔ پھر وہ میری طرف آیا۔ کہ آیا
میں جاگتا ہوں یا نہیں۔ اور جب مجھے جاگتا پایا۔ تو اس کا شک اور بھی پختہ ہو گیا۔
کہ سکھ اس زبان میں جو اس کے لئے یونانی سے کم نہ تھی۔ ضرور مجھے کوئی پیغام
بھیج رہا تھا

میرے رہنے والے بنگلے کے گرد میدان تھا۔ اور اس میں گھاس اُگا ہوا تھا

رجمنٹوں کی گائیں وہاں چرتی تھیں۔ اور چرانے والے ہندو اور مسلمان پنجابی لڑکے ہوتے تھے
اس دور دراز دیس میں ان کے لئے اس سے زیادہ اور کیا خوشی ہو سکتی تھی۔ کہ وہ
وطن کے مروجہ گیت اونچے سر سے گائیں لیکن جونہی ان کی آواز بلند ہوتی تھی۔
ان کو خاموش رہنے کا حکم دیا جاتا تھا۔

منڈلے میں عموماً ۵ اور ۶ بجے کے درمیان صبح بستر سے اٹھتا۔ رفع حاجت کے
بعد اشنان کرکے سندھیا کرتا۔ پھر گرم دودھ کا ایک گلاس پی کر سیر کو نکل جاتا
اور واپس ہو کر ذیل کی دھارمک کتب سے مطالعہ کرتا۔

(۱) بھگوت گیتا۔ بامراد ایک انگریزی ترجمہ اور ایک ہندی کا بھاشیہ
(۲) بیج آف ویداز۔ ویدمنتروں کا مجموعہ انگریزی ترجمہ مترجمہ لالہ گوکل چند جی ایم اے
(۳) یوگ درشن بامراد ایک ہندی کا بھاشیہ۔
(۴) ویدمنتروں کا انتخاب مرتبہ ماسٹر درگا پرشاد جی۔ مہر پوتر رگ وغیرہ۔
(۵) تیتریہ اوپنشد معہ ایک ہندی بھاشیہ

اس کے بعد مشرقی مطالعہ شروع ہوتا۔ ۱۱ اور ۱۲ بجے کے درمیان اشنان
کرکے کھانا کھاتا۔ پھر ایک دو گھنٹے اگر کوئی مسئلہ ہوتا تو اردو پڑھتا۔ اس کے
بعد مطالعہ میں لگ جاتا۔ پانچ یا چھ بجے یہ مطالعہ ختم ہوتا۔ بعض اوقات برما کے
متعلق تصنیفات اور دوسری کتابوں سے یادداشتیں لکھتا۔ پانچ بجے کے بعد ہوتا
شام کی سیر کو چلا جاتا۔ اور اندھیرا ہونے سے پہلے لوٹ آتا۔ لیمونیڈ یا جنجر بیئر کی
ایک بوتل پی کر احاطہ میں قریباً ایک گھنٹہ ٹہلتا رہتا۔ اور پھر اوپر چلا جاتا۔ رات کا
کھانا کھانے سے پیشتر اشنان کرتا۔ کھانا کھانے کے بعد بعض اوقات پڑھنے کی کوشش
کی جاتی۔ لیکن چونکہ اردگرد کیڑے مکوڑے موجود ہو جاتے تھے۔ اس لئے پڑھنا مشکل تھا
۹ بجے بستر پر لیٹ جاتا۔ شام کی سندھیا باقاعدہ نہ تھی۔ لیکن ایسی کوئی شام نہ ہوتی
تھی کہ جب میں کچھ وید منتر یا بھجن گایا نہ کرتا۔

...دار کی حالت میں بڑی مصیبت پانی کی تھی۔ تحصیل اندر میں پہلے ایسی تنہائی کبھی

محسوس نہ کی تھی میرے محترم دوست شری مان لالہ ہنس راج جی آنریری پرنسپل دیانند
اینگلو ویدک کالج نے بالکل صحیح کہا تھا۔ کہ سوسائٹی کے ساتھ ملے جلے رہنے کی عادت
ہونے کی وجہ سے یہ جبریہ تنہائی میرے لئے سخت مصیبت ناک ہوگی۔ جیل کے پور بین
سارجنٹوں میں سے بعض بڑے مہربان تھے۔ اور میں کبھی کبھی ان کے ساتھ مل بیٹھتا
لیکن ان کی صحبت میں مجھے کیا خوشی حاصل ہو سکتی تھی۔ تعلیم اور خیالات کا فرق تھا۔
وہ میرے خیالات اور جذبات سے بخوبی آگاہ نہیں ہو سکتے تھے۔ علاوہ بریں ہمارے
مذاق تھے۔ وہ انگریزی قوم میں درندوں کی زندگی کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ حالانکہ روحانیت
سے مجھے ولی لگاؤ تھا۔ میں اپنی طبیعت کو حالات موجودہ کے مطابق بنا لیا کرتا ہوں۔
لیکن ایسا کرنے پر بھی جن حالات میں رکھا گیا تھا۔ مجھے ان سارجنٹوں کی معیت
میں خوشی حاصل نہ ہوتی تھی۔ بنگلے میں دو بلی کے بچے تھے۔ ان سے جی بہلا لیتا تھا
جب میں نے انہیں کھلانا شروع کیا۔ تو مجھ سے پیار کرنے لگ گئے۔ لیکن ان کا پیار
کرنا تکلیف سے خالی نہ تھا۔ کیونکہ وہ رات کو بھی میرے ساتھ اسی بستر پر سونے
کے لئے بضد ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ ہونے سے میری نیند اچاٹ ہو جاتی کئی راتوں
تک ان کی محبت اور اپنی تکلیف کے خیالات کے درمیان کشمکش جاری رہی میں
چاہتا تھا کہ وہ دن بھر ہی میرے رفیق رہیں۔ مگر وہ دن اور رات میرا ساتھ
چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آخر کار میں کبھی کبھی انہیں کسی قدر فاصلہ پر ایک کوٹھڑی میں
رات کو بند کر لینے کے لئے نوکر سے کہہ دیتا۔ آہستہ آہستہ وہ میری عادت سے
واقف ہو گئے اور انہوں نے مجھے تنگ کرنا چھوڑ دیا۔ بعض اوقات میں دیر تک انہیں
آپس میں کھیلتے ہوئے دیکھتا رہتا۔ وہ ایک دوسرے پر دولتیاں چلاتے۔ ایک دوسرے
سے لپٹ جاتے۔ ان کے درمیان بڑی محبت تھی۔ میرے لئے یہ تجربہ نیا تھا لیکن غیر
معمولی محبت کے باوجود کھانے پر ان کی آپس میں سخت لڑائی جھگڑا بھی ہو جاتا
تھی۔ ایک ٹکڑے پر وہ ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کو تیار ہو جاتے تھے۔ ان میں
سے ایک بڑا چالاک اور مکار تھا۔ وہ ہمیشہ دوسرے سے خوراک کا زیادہ حصہ لینے کا حیلہ

کرتا۔ اور مجھے کمزور کی حمایت میں دست اندازی کرنی پڑتی۔ انسانی گروہوں، نباتات اور حیوانات کے درمیان جس طرح عمل رہا ہے۔ بلی کے بچوں کا باہمی برتاؤ اس کی عینٹہ مثال تہا۔ اور اس لئے مجھے اس سے بہت ہی دلچسپی تہی۔ میں نے ان کے دل میں سلامت روی اور انصاف کا بیج بو دیا۔ اور ایک ہی پیالے میں انہیں دودھ پینے کا عادی بنایا۔ اس طرح میرا ایک دو گھنٹے وقت انہیں کے معاملات میں خرچ ہو جاتا۔ ان کی طرف سے اس کا بدل یہ تہا کہ وہ میری گود میں آ بیٹھتے۔ ہاتھ چاٹتے۔ اور پیار کی دیگر علامتوں کا اظہار کرتے۔ یہ خیال کرنے پر کیسی خوشی محسوس ہوتی تہی کہ آخر اس قید خانے کی چار دیواری کے اندر دو وجود تو ایسے موجود ہیں۔ جو مجھے پیار کرتے تہے۔ آہستہ آہستہ وہ ایک ہی برتن میں مل کر خوراک کہانے لگے۔ میں فخر محسوس کرتا تہا۔ کہ میں نے انہیں امن اور حسن سلوک سے رہنا سہنا سکھلا دیا۔

میں نے ان گھریلو جانوروں میں مزید اضافہ کرنا چاہا۔ اور ایک کتے کا پلا منگوا لیا۔ لیکن یہ کچھ خوبصورت نہ تہا۔ اس لئے میں نے رہائی کے دن صبح کو وہ لانیوالے کو واپس کر دیا۔ کیونکہ بنگلے کے خاکروب نے مجھے اچھی نسل کا پلا لا دینے کا وعدہ کیا تہا

ایک شہتیر کے سوراخ میں مینا کا جوڑا بچوں سمیت رہتا تہا۔ مینا مجھے راگ سنانے کی خدمت سرانجام دیتی۔ لیکن ایک سارجنٹ ان کے پکڑنے کی فکر میں لگا رہتا تہا۔ چونکہ مینا بڑی ہوشیار تہی اس لئے وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا البتہ ایک دن مینا کی عدم موجودگی میں وہ چہوٹے بچوں کو اٹھا کر اپنے مکان پر لے گیا مینا واپسی پر اپنے بچوں کو موجود نہ پاکر سخت مضطرب نظر آتی تہی۔ اس کی دردناک چیخوں سے کمرہ گونجتا تہا۔ مینا کئی دنوں تک گہونسلے کے گرد منڈلاتی رہی اور پھر مایوس ہو کر ہمیشہ کے لئے وہاں سے چلی گئی۔ اس طرح میں اپنے ایک پولیس محافظ کی بے رحمی اور سنگدلی کے باعث ان جانوروں کی صحبت سے محروم کر دیا۔ جس میں انگریزی اور ہندی نسل کی تمام برائیاں ایک جا جمع تھیں۔ اور دونوں نسلوں کی کوئی بھی اچھی صفت جس میں موجود نہ تہی۔

۱۱ نومبر کو دونوں بل کے پیچھے کہیں ادھر ادھر پھیرنے باہر گئے ہوئے تھے کہ
مجھے اسباب وغیرہ سمیت ریلوے سٹیشن پر پہنچا دیا گیا ان کی واپسی کا انتظار کرنے کے
لئے وقت نہ ملا۔ کیونکہ کمشنر صاحب نے کہا تھا کہ سپیشل ٹرین تیار کھڑی ہے۔
سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جلدی چلنے کو کہہ رہے تھے نہ ان کو چھوڑتے
ہوئے جو رنج مجھے ہوا تھا وہ یہ تھا۔ کہ میں بلی کے بچوں سے علیحدہ ہونے پر مجبور
کیا گیا ہوں۔ اسیری کے زمانے میں میں اکثر بائرن کی نظم چیلن کا قیدی پڑھا کرتا
تھا۔ اس واقعہ نے مجھے وہ شعر یاد دلائے۔ جو رہائی کے وقت قیدی کی زبان سے
ادا کئے گئے ہیں اور جن کا نفس مضمون یہ ہے کہ

"رہائی کی گھڑی آگئی زنجیریں الگ کرکے پھینک دی گئیں۔
میرا مجلس میرے لئے حجرہ گوشہ نشینی تھا۔ اور اس کی دیواروں
سے میں مانوس ہو چکا تھا۔ جب رہائی دینے والے آئے
تو میں نے رنج محسوس کیا۔ کہ وہ مجھ سے میرا دوسرا گھر چھیننے
آئے ہیں میں نے یہاں مکڑی سے دوستی پیدا کر لی تھی۔"
اور گھڑیوں تک اسے تانا بانا تنتے دیکھا کرتا تھا۔ میں چوہوں کو
چاندنی کے ساتھ کھیلتے دیکھتا۔ اور اپنے آپ کو انہیں میں سے
خیال کرتا ہم سب ایک ہی جگہ رہتے سہتے تھے۔ اور میرا دبدبہ
ان میں بادشاہ کا تھا۔ میں چاہتا تو انہیں مار سکتا تھا مگر یہ
تعجب کی بات تھی۔ کہ ہم سب امن سے گذارہ کرتے تھے۔ وحشت
کی رفاقت سے جو پیدا ہوا اسکے ساتھ ہی آشنائی پیدا ہوگیا تھا۔ رہائی
تو نصیب ہوئی۔ مگر ایک مدت کے ساتھیوں سے جدا ہوتے ہوئے
سینے سے آہ نکل گئی۔"

جیل کے تجربات

(یعنی امر دلیش بھگت بابو اربندو گھوش کے وہ خیالات جو انہوں نے اخبار "سنجیونی" کے نامہ نگار سے سنہ ۱۹۰۹ء میں اپنی بریت کے بعد جیل سے رہا ہو کر جیل کے متعلق ظاہر کئے تھے)

مجھے گرفتار ہونے سے پیشتر مطلق علم نہیں تھا کہ میں گرفتار کیا جاؤنگا یا پولیس میرے گھر میں داخل ہوگی۔ کیونکہ اس بات کا کچھ سبب نہ تھا۔ جب پولیس مجھے گرفتار کرنے آئی۔ میں اس وقت سویا ہوا تھا اور میری بہن نے مجھے جگایا۔ گرفتاری پر سپرنٹنڈنٹ مسٹر کریگن سے میری نوک جھوک ہوئی۔ جس کے بعد مجھے اس کے حکم سے ہتھکڑی لگا کر میری کمر میں رسی باندھی گئی۔ اور گاڑی میں بٹھا کر مجھے تھانہ میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں خفیہ پولیس کی جانب سے مجھے ایڈریس کیا گیا۔ کہ "ہم جیسے شریف اور آپ سے بیکدل انسان کو کبھی کوئی بات چھپا کر نہیں رکھنی چاہئے۔ بلکہ اپنے کارنامے تمام و کمال کھلے طور پر بیان کر دینے چاہئیں"۔ میں نے چپ چاپ یہ ایڈریس سنا کیا۔ خیر اس رات حوالات میں رہے اگلا دن بھی وہیں گذرا۔ مجھے صبح کے وقت کھچڑی اور دوپہر کے وقت خشک چاول کھانے کے لئے دیئے گئے۔ لیکن چونکہ وہاں نہانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس لئے میں نے کچھ نہ کھایا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایک سارجنٹ مجھے اچھی چائے اور روٹی کا کچھ حصہ پیش کیا کرتا تھا

گرفتاری کے بعد مجھے پولیس کمشنر ہالیڈے کے روبرو پیش کیا گیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔ "کیا تمہیں اس بزدلانہ جرم میں شریک ہوتے ہوئے شرم نہیں آئی" میں نے جواب دیا کہ "تمہارا اس فرض کرنے کا کیا حق ہے کہ میں نے اس میں حصہ لیا ہے"۔ مسٹر ہالیڈے نے کہا "کہ میں نے فرض نہیں کیا۔ بلکہ میں جانتا ہوں"۔ اس پر میں نے کہا۔ "کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے۔ تم اسے جانتے ہو۔ مجھے تمام تعلقات سے

انکار ہے۔"

سوموار کو پھر ہمیں پولیس کمشنر کے پاس لے جایا گیا۔ ہم نے وہاں کچھ نہیں کہا۔ منگلوار کو پھر مسٹر تھارن ہل کے سامنے پیش ہوئے۔ وہاں سے ہمیں علی پور کی عدالت میں بھیجا گیا جس نے ہمیں علی پور جیل میں لے جانے کا حکم دیا۔ جہاں کہ ہماری قیدِ تنہائی شروع ہوئی۔ جیل میں ہمارے ساتھ پولیٹیکل قیدیوں کا سا سلوک نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہمیں تنہا کوٹھڑیوں میں رکھا گیا۔ مجھے الگ تھلگ کوٹھڑی میں بند کیا گیا جس میں کھڑکیاں نہیں تھیں۔ بلکہ سامنے کی طرف لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ تھنڈر وغیرہ کے متعلق مجھے اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ تھا۔ کہ وہ بھی جیل میں ہیں کیونکہ دربانوں کو سرکاری کام کے علاوہ ہمارے ساتھ کسی قسم کی بات چیت کرنے کا حکم نہ تھا۔ علی پور جیل میں ہمیں صبح کے وقت لوفتی (یعنی کھچڑی سادہ چاول اور دلیا) کبھی بغیر نمک کبھی قدرے میٹھی دی جاتی تھی۔ دوپہر کو کچھ ابلے ہوئے چاول کچھ بے ذائقہ سی دال اور تھوڑا سا ساگ ملتا تھا۔ ہمیں آٹے کی جگہ چھان بورا اور ساگ کی جگہ گھاس پتے اور اسی قسم کی دیگر ردی چیزیں دی جاتی تھیں۔ جو ہرگز ہرگز کھانے کے قابل نہ ہوتی تھیں الغرض خوراک میرے لئے نہایت ناگوار تھی۔ میرے پاس برتنوں کی جگہ فقط ایک لوہے کی طشتری اور صرف ایک پیالہ تھا۔ یہ پیالہ بڑی قیمتی چیز تھی۔ پانی پینے نہانے اور ٹٹی بیٹھنے غرضیکہ تمام ضروریات میں اسی پیالہ کو استعمال کرنا پڑتا تھا۔ [illegible] دوپہر کھانا نہیں ملتا تھا۔ شام کے پانچ بجے پھر وہی دال اور چاول دئے جاتے تھے [illegible] اسی حالت میں [illegible] ماہ [illegible]

[illegible] چہرہ بدلتا [illegible]

علل انداز ہوتے [illegible] کر لیتے [illegible]

چھوڑ [illegible] ڈاکٹر کے آنے پر [illegible] کوٹھڑی [illegible]

عاتی قبر [illegible] بعد کتابیں [illegible] اور [illegible]

طلب کئے جو مجھے دے دیئے گئے لیکن چونکہ انہوں نے رات کو مجھ کو مدتنی ردّ دیا اس لئے میں
انہیں پڑھ نہ سکا مجھے دو بڑے کمبلوں کی اجازت دی گئی جنہیں بچھا کر میں فرش پر
سوتا تھا۔ جیل افسر میرے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آتے تھے۔ مجھے حوالاتی ہونے
کے سبب کوئی کام نہیں دیا گیا۔ میرا وقت پڑھنے اور غور و فکر کرنے میں کٹتا تھا۔

۱۹ مئی ۱۹۰۸ء کو ہمارا مقدمہ مسٹر برلے سپیشل مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوا۔
پہلے پہل ہمیں کمرہ عدالت میں ہر روز تمام دن کھڑے رہنا پڑتا تھا لیکن مقدمہ دن بدن
طوالت پکڑتا گیا۔ اور جسمانی زور پر تمام دن کھڑے رہنا ہمارے لئے ناممکن ہو گیا
اس لئے آہستہ آہستہ ہم نے نیچے بیٹھنا شروع کر دیا لیکن جب عدالت کو ہم سے کچھ
دریافت کرنا مطلوب ہوتا۔ تو ہم کھڑے ہو کر جواب دیتے تھے لیکن نشست کی حالت
میں ہم میں سے بعض بنکم چندر کے ناول بعض سوامی وویکانند کی تصنیفات اور بعض
گیتا اور اپنشدوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے لیکن یہ سلسلہ دیر تک نہ رہا۔ کیونکہ مسٹر
برلے کے حکم سے عدالت میں ہمارا مطالعہ روک دیا گیا۔ جب دوپہر کو عدالت کھانا
کھانے کے لئے برخاست ہوتی تھی۔ تو ہمیں آپس میں گفتگو کرنے کا موقع مل جاتا۔ اُلاسکر دت
ہیم داس اور دوسرے بھائی اپنی ظرافت اور خوش طبعی سے ہم لوگوں کو خوش کیا
کرتے۔ وہ لوگ اس قدر سنگین فرد جرم میں پھنسے پھر بھی ظرافت اور خوشی سے محروم نہیں
تھے۔ ان میں سے کوئی بھی مقدمہ کے آخری نتیجہ پر غور و فکر کر کے اپنے دماغ کو پریشان
کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ہر ایک شخص کا خیال تھا۔ کہ وہ مجرم ثابت ہو یا نہ ہو اُسے ضرور ہی
سزا دی جائیگی۔ یہ بات بالکل جھوٹ ہے کہ ان میں سے کوئی شخص کبھی گھبرا گیا ہو۔
میں نے انہیں کبھی کسی کو چلاتے یا غمگین ہوتے نہیں دیکھا۔ وہ ہمیشہ ظرافت سے کام لیا کرتے
تھے۔ ... بعض اوقات ہنسی ہنسی میں انگریزی بول بول کر ہمیں خوش کرتے بعض الفاظ
... ایسے اور کچھ عجیب و غریب معنی بتاتے تھے کہ ہم لوگوں کو ہنساتے ہنساتے ...
... اپنی آنکھ کی تصویر میں بناتا کہ وہ بالکل ہی معصوم ہوں ... اور ...
... ان کو دیکھ کر وہ بے تحاشا ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔ ...

اور دیگر کئی بھائی نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان دلچسپیوں میں ہم اپنے تئیں بالکل بھول گئے اور ہمیں یہ بات یاد رہی کہ ہم حوالاتی ہیں یا ہم پر اس قدر سنگین الزامات لگائے گئے ہیں

تنہا کوٹھڑیوں سے نکال کر ہمیں چار بڑے بڑے کمروں میں رکھا گیا۔ ان کمروں میں وہ تمام دن رات کھیل اور دل لگی میں اپنا وقت گذارتے تھے۔ ایک کمرہ غور و فکر کے لئے اور دوسرا دل لگی کے لئے مخصوص تھا۔ میں دیتیرا اور ہیری کیش روحانی شغل میں مشغول رہتے تھے۔ اور نریندر گوسائیں آپسی بات چیت، اور راگ میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔ نریندر گوسائیں اچھا گا سکتا تھا۔ چند روز کے بعد ہم سب کو ایک بڑے کمرے میں رکھا گیا۔ یہاں نہانے دھونے کے لئے قریب ہی ایک حوض تھا۔ خوراک پہلے کی طرح ہی تھی۔ ہاں جو کمزور اور بیمار ہوتے تھے۔ ان کو ہسپتال کا کھانا دیا جاتا تھا جس میں دال سبزی مچھلی۔ چاول اور کبھی کبھی دودھ بھی ہوتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ خوراک کی جو مقدار دی جاتی تھی۔ سب کے لئے کافی ہوتی ہو۔ جب ہم جیل میں تھے تو لفٹنٹ گورنر جیل کے معائنہ کے لئے آیا تھا۔ اس سے دس بارہ منٹ میری بات چیت ہوئی تھی۔ اس گفتگو کے متعلق جو افواہیں مشہور ہوئی تھیں۔ وہ درست نہیں ہیں۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو ہمارا مقدمہ سیشن جج کے روبرو پیش ہوا۔ اس وقت ہم سب کو دو دو کی قطار بنا کر ایک ایک ہتھکڑی لگائی جاتی یعنی ایک آدمی کا دایاں ہاتھ دوسرے کے بائیں کے ساتھ ملا کر دونوں کو ایک ہتھکڑی لگائی جاتی اور گاڑی میں بٹھا کر ہمارے ہاتھوں کے درمیان سے ایک زنجیر گذار کر گاڑی کے ارد گرد لپیٹ دی جاتی تھی گاڑی سے اترتے ہی وہ زنجیر کھول دی جاتی۔ کمرہ عدالت میں ہماری ہتھکڑیاں بھی اتار دی جاتی تھیں۔ یہاں [illegible] حالت میں [illegible] کے ذریعہ نہایت مضبوط بنایا گیا تھا۔ [illegible] کا دروازہ اور دریا [illegible] راستہ [illegible] گھیرا رہتا [illegible] پولیس کے سپاہی [illegible] ایک [illegible] وارڈر [illegible] دروازہ اور دوسرے [illegible] ہمارے [illegible]

کی شہادت سنتے اور باقی سب آپس میں بات چیت کرتے رہتے تھے۔ الا سکر عام طور پر
گیت گایا کرتا تھا اور سب سے زیادہ منکسر تھا۔ ہمیں ہمارے عزیز و رشتہ دار عدالت
میں کھانا بہم پہنچاتے تھے کھانے پینے کے انتظام کمیٹی کے سب انسپکٹر کی نگرانی میں
ہمیں کھانا کمرہ عدالت میں دیا جاتا تھا۔ کھانے کو ہمارے سامنے رکھے جانے سے پیشتر
ایک سارجنٹ اس قدر غور کے ساتھ دیکھا کرتا تھا گویا ہماری روٹی دال اسی نے بنائی
ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ مبادا کوئی شخص ریوالور وغیرہ کھانے کے ساتھ نہ بھیج
دے۔ جیل میں ہم میں سے بعض کے پاس کتابیں موجود تھیں لیکن بعض حکام سے مانگ
لیا کرتے تھے۔ جن کے پاس کتابیں تھیں۔ وہ اجازت سے دوسروں کو اپنی کتابیں [illegible]
دیا کرتے تھے۔ چونکہ نئی کتابوں کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے بار بار پرانی کتابوں ہی کی ورق
گردانی پڑتی تھی لیکن مقدمہ کے خاتمہ کے قریب ہمیں نئی کتابوں کی اجازت دی گئی تھی۔ ہمارے
بہت سے ساتھی اپنا وقت روحانی عبادت میں صرف کرتے تھے۔ انہیں کسی قسم کی
تکلیف نہ تھی۔ وہ تمام دکھوں سے آزاد تھے۔ کیونکہ وہ دن رات اپنے دھیان میں مگن
رہتے تھے اور جن کو کوئی کام نہ تھا۔ انہیں سخت تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اور عدالت کی
کارروائی کے خاتمہ کے ساتھ ان کی تکلیفات کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مسٹر [illegible] کی عدالت
میں چارو چندر رائے نے کہا تھا کہ میں قید تنہائی میں پاگل ہو جاؤں گا۔ کسی کو ہمیشہ ایک
کوٹھڑی میں نہیں رکھا جاتا تھا۔ ہمیں تھوڑے تھوڑے وقفہ بعد ایک کوٹھڑی سے
دوسری کوٹھڑی میں بدل دیا جاتا تھا۔ تبدیلی کے وقت ہم اپنے کپڑے وغیرہ
ہر ایک چیز ایک کوٹھڑی سے دوسری کوٹھڑی میں اٹھا کر لے جایا کرتے تھے لیکن
جب ہمارے جسموں پر پانی کی کمی کے سبب خارش ہونے لگی [illegible]
تو ہم صرف [illegible]
[illegible]
کے فیصلہ کے متعلق میرا خیال تھا [illegible] ہو جائے گی لیکن مسٹر [illegible]
کے [illegible]

میں تبدیل ہو گیا۔

پہلے پہل عدالت میں ہم میں سے ہر ایک کے ایک ہاتھ کو ہتھکڑی لگا کر اور زنجیر باندھ کر قطاروں میں ہمیں تختہ پر بٹھلایا جاتا تھا۔ لیکن جب سے جج نے جلدی جلدی اور جوش کے ساتھ مقدمہ کو ختم کرنا شروع کیا۔ اس وقت سے ہمیں کچہری میں ہتھکڑیوں سے نجات مل گئی اور تختوں پر بیٹھنے کی بھی اجازت ہو گئی۔ جب ہتھکڑیاں اتار دی گئیں تب کوئی سختی نہیں کی گئی۔ بہت لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا جیل والوں نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جیل کے افسروں کا کوئی خاص حق نہیں کہ وہ قیدیوں کو میرے کے بستر اور اعلیٰ کھانے دیں۔ اگر آسائشوں کا مہیا نہ کرنا سختی ہے۔ تب تو ہمارے ساتھ جیل خانہ میں سختی کی گئی۔ لیکن اگر یہ پوچھا جائے۔ کہ کیا پچھلے سال بیکار اور نکمے رہنے کی وجہ سے میری زندگی کا ایک سال چلا گیا۔ تو میں کہوں گا کہ نہیں! اس میں شک نہیں کہ نہ ہی دماغی اور نہ ہی جسمانی کام کے لحاظ سے ہمارا یہ سال اچھا گذرا ہے۔ نہ پینسل کاغذ اور قلم دوات مہیا نہیں کئے گئے تھے۔ تاہم ہفتوں قید تنہائی میں رہنے سے سوچنے اور غور کرنے کا موقعہ ملتا تھا۔ جس سے میں نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے۔"

چھ سالہ قید کی کہانی

(مسٹر گنگا سی لوکمانیہ تلک مہاراج کی زبانی)

جب جج داور نے مجھے چھ سال قید بعبور دریائے شور کی سزا دیدی۔ تو مجھے ایک موٹر میں سوار کرا کر مہالکشمی سٹیشن پہنچایا گیا۔ جہاں مجھے احمد آباد لیجانے کے لئے ایک سپیشل ٹرین پہلے سے تیار کھڑی تھی۔

احمد آباد جیل میں ۱۴ ستمبر ۱۹۰۸ء کو سات بجے کے لگ بھگ اندر پہنچ دیا گیا۔

جب تک میری سزا میں تبدیلی نہیں ہوئی مجھ سے معمولی قیدیوں کا سا برتاؤ کیا گیا فرق صرف اتنا تھا کہ مجھے بیڑیاں نہیں ڈالی گئیں۔ جیسا کہ زیادہ میعاد کے قیدیوں کو اکثر ڈالی جاتی ہیں۔ احمد آباد جیل میں مجھے دس دن زیر ملاحظہ رکھا گیا۔ یہاں مجھے کوئی کام نہیں دیا گیا۔ لیکن جیل کی نامناسب خوراک کا ہی مجھ پر اتنا اثر پڑا۔ کہ میرا وزن دس پونڈ کم ہو گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر کے حکم سے مجھے دودھ اور گھی ملنے لگا۔

مانڈلے جیل میں پہنچنے کے بعد مجھے سزا میں تبدیلی کے حکم سے اطلاع دی گئی۔ مانڈلے میں جہاں مجھے رکھا گیا۔ وہ ایک دو منزلہ عمارت تھی جس کا ایک حصہ استعمال کے لیے دیا گیا۔ یہ عمارت دراصل گورے قیدیوں کے لیے مخصوص تھی۔ اور اس لیے اس کے چاروں طرف کوئی مضبوط چار دیواری نہ تھی بلکہ صرف لکڑی کا جنگلہ لگا رہتا تھا۔ اور رات کے وقت میرے کمرے اور احاطہ میں قفل لگ جاتا تھا۔

میرے لیے خوراک تیار کرنے کے واسطے احمد آباد سے ایک برہمن قیدی میرے ہمراہ مانڈلے بھیجا گیا تھا لیکن وہاں پہنچنے کے ایک ماہ بعد ہی اس کی سزا کی میعاد ختم ہو جانے پر اسے رہا کر دیا گیا۔ اور یرودا جیل سے ایک دوسرا قیدی جو کل کرنی" فرقہ کا تھا۔ میرے لیے بلایا گیا۔

۲۴ ستمبر ۱۹۵۰ء کو میں مانڈلے پہنچا تھا۔ پہلے دو سال تک تو میری صحت خاصی اچھی رہی لیکن بعد میں مجھ پر ذیابیطس کا ایک زبردست حملہ ہوا ایسی حالت میں مکان پر میرے طبی مشیر ڈاکٹر گرڈے مجھے جو کچھ خوراک دیا کرتے تھے جس سے مجھے بہت فائدہ پہنچا تھا۔ اس لیے میں نے افسران جیل سے بھی وہی خوراک طلب کی۔ اور انہوں نے پونا لکھ کر ڈاکٹر گرڈے سے اس امر کی اطلاع کر کے مجھے مجوزہ علاوہ پونا کی خوراک دینا منظور کی جس سے مجھے کسی قدر افاقہ ہوا۔ اس لیے بعد میں بھی خوراک کچھ مدت تک جاری رکھی گئی۔

چونکہ بیکار رہنے کے باعث مجھے وقت گزارنا سخت مشکل تھا۔ اس لیے میں نے افسران جیل سے وقت کاٹنے کے لیے کچھ کام مانگا لیکن میری درخواست منظور

ہوئے تھے۔ وہاں پنجاب گورنمنٹ کا ایک حکم مجھے دکھایا گیا تھا۔ جس میں درج تھا کہ مجھے بروئے قانون تحفظ ہند دو ماہ کی مدت کے لیے دھرم سالہ میں نظر بند رہنا ہوگا۔ میں نے بلا عذر اپنے دستخط کر دیئے۔ البتہ ڈپٹی کمشنر سے کہا۔ کہ پنجاب گورنمنٹ اس معاملہ میں سخت غلطی کر رہی ہے

ڈپٹی کمشنر صاحب نے جواب دیا۔ کہ اس معاملہ میں ان کا کچھ دخل نہیں۔ جو کچھ ہوا ہے۔ حکومت پنجاب کی طرف سے ہوا ہے۔ نظر بندی کے حکم نے میرے دل پر کوئی خوف و ہراس طاری نہ کیا۔ میں سمجھا کہ اگر تقدیر نے مجھے ملک و قوم کی خدمتگذاری کے لیے چن لیا ہے۔ تو اس راہ میں جو مشکلات آئیں میں ان کا سامنا کرنے کو ہر آن تیار ہوں گا۔ دو موٹر کاریں موجود تھیں۔ ایک میں مجھے بٹھایا گیا۔ مسٹر رہیل سپرنٹنڈنٹ پولیس امرتسر میرے ہمراہ سوار ہو گئے۔ اور موٹر چلاتے رہے۔ دو فوجی افسر جو ہمارے موٹر کی پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ یہ افسر ہتھیار چھپائے ہوئے تھے

ڈاکٹر ستیہ پال کو بھی اسی قسم کا حکم دیا گیا تھا۔ جیسا مجھے مل چکا تھا۔ چنانچہ ایک موٹر میں وہ بھی میری طرح سوار ہو گئے۔ ان کے ہمراہ ایک موٹر ڈرائیور بیٹھ گیا۔ اور اسی طرح دو فوجی افسر قریباً ۱۱ بجے ہم روانہ ہوئے۔ موٹر ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی سے نکل کر مال روڈ پر آئے۔ اور فراٹے بھرتے ہوئے نہر کی جانب ہو لیے۔ اس وقت مال روڈ پر فوجی پٹرول ہو رہی تھی۔

دوپہر کو میں ہمراہی ڈاکٹر ستیہ پال و مسٹر رہیل سپرنٹنڈنٹ پولیس امرتسر ڈپٹی کمشنر امرتسر کی کوٹھی واقعہ سول لائن سے [illegible] دھرم سالہ [illegible] روانہ ہوا [illegible] رہیل سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بذریعہ تار ڈپٹی کمشنر کانگڑہ کو اطلاع دی کہ ہم ڈپٹی کمشنر دھرم سالہ [illegible] انتظام کیا جائے۔ شام کو کار دھرم سالہ پہنچی۔ [illegible] ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ چونکہ [illegible] کوئی [illegible] [illegible]

اور سبزی جس میں زیادہ حصہ گھاس پھونس کا ہوتا ہے لوہے کے برتنوں میں کھانے کے لئے ملی۔ اس کھانے کو میں نے استعمال نہ کیا۔

جس روز میں جیل میں پہنچا۔ اسی روز بعد از دوپہر ۲ دو بجے کے قریب ڈپٹی کمشنر لاہور بہمراہی سپرنٹنڈنٹ جیل اور دیگر دو انگریزوں کے میرے پاس آئے۔ ان سے میں نے کہا کہ انڈر ٹرائل ہوں اور بسبب ایک بیرسٹر ہونے کے قانوناً اس امر کا مستحق ہوں کہ مجھے یورپین وارڈ میں رکھا جائے۔

ان کی بات چیت سے معلوم ہوا۔ کہ گورنمنٹ پنجاب کا خاص حکم ہے کہ قانوناً جو استحقاق میرے لئے پہنچتا ہے میں اس سے محروم رکھا جاؤں۔

انہوں نے اس امر کا یقین دلایا کہ لباس بستر اور برتن گھر سے منگوانے کی اجازت دی جائیگی۔ اور کھانے کے لئے علیحدہ انتظام کر دیا جائیگا

دوسرے روز صبح کو بھی جیل کا سٹینڈرڈ کھانا دیا گیا۔ جو کہ میں نہ کھا سکا۔ اور یہ دن بھی فاقہ میں گذرا۔ شام کو علیحدہ کھانے کا انتظام کیا گیا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل سے مچھروں اور کھٹملوں کی شکایت کی گئی اور ۳۰ یوم روز بعد کوٹھڑی میں سفیدی کروا دی گئی۔

چند روز سخت گرمی کے موسم میں مجھے اس تنگ کوٹھڑی کے اندر سونا پڑا۔ اس کے بعد کوٹھڑی کے آگے جو حصہ ہے جو چاردیواری سے گھرا ہوا تھا لیکن اوپر کھلا تھا اس پر سونے کی اجازت مل گئی۔ تمام شب و روز میں صرف دس منٹ کے لئے صبح کو رفع حاجت وغیرہ کرنے کی غرض سے باہر جانے کی اجازت تھی مگر وہاں بھی سپرنٹنڈنٹ کا اردلی میرے ساتھ جایا کرتا تھا۔ دوسرا دن جب مسٹر کاون مجھے دیکھنے کے لئے آیا۔ تو میں ایک ہاتھ سے لوہے کی سلاخ کو تھامے ہوئے اس سے بات چیت کر رہا تھا۔ مسٹر کاون نے نہایت تحکمانہ لہجہ میں مجھ سے کہا کہ ہاتھ سلاخ سے الگ کرو مجھے ڈاکٹر اٹنشن کی حالت میں ہونا چاہئے تھا اس سے سخت الفاظ استعمال کر کے سلسلہ گفتگو شروع کر دیا۔

لاہور سنٹرل جیل میں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا۔ کہ نشتر کمیٹی صرف میری گواہی چاہتی ہے
اور دیگر سیاسی لیڈر پنجاب گورنمنٹ سے خائف تھے۔ میں نے ایسی حالت میں گواہی دینے سے
انکار کر دیا۔

اس کے بعد مجھے سنٹرل جیل لاہور میں رکھا گیا اور ۲۴ دسمبر ۱۹[illegible]ء
کی شام کو بموجب شاہی اعلان رہا کر دیا گیا۔

مارشل لا کے علاوہ قیدیوں کے ساتھ جیل میں برا سلوک کیا جاتا تھا۔ انہیں عادی
مجرموں کے ساتھ رکھا گیا۔ اور ان سے معمولی قیدیوں کی طرح بلکہ بعض حالتوں میں
ان سے بھی برے طریق پر کام لیا گیا

جیل کھلی ہیں۔ جو میں نے بچشم خود دیکھا۔ اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں۔ کہ نظام جیل میں فوری
اصلاح کی ضرورت ہے۔ جیل میں رشوت کا بازار گرم ہے۔ مجرموں سے روپیہ حاصل
کرنے کے لئے انہیں تکالیف دی جاتی ہیں جس سے وہ تنگ آ کر رشتہ داروں سے
روپیہ منگوا کر بطور رشوت دیتے ہیں جو مالی طور پر مضبوط ہیں۔ جو جس قدر زیادہ روپیہ دیتا ہے
وہ اسی قدر زیادہ آرام و آسائش حاصل کرتا ہے۔ باہر سے اشیائے خوردنی بھی مہیا
کر دی جاتی ہیں۔ افسران جیل قیدی نمبرداروں کے ذریعہ رشوت وصول کرتے ہیں
نمبرداری اور دیگر عہدہ ہائے جیل کے حصول کی غرض سے پرانے قیدی بھی نیاز
رشوت پیش کرتے ہیں۔

غلہ وغیرہ جو خریدا جاتا ہے اس میں بھی مٹی وغیرہ ملا کر وزن پورا کر دیا جاتا ہے
اور سرکاری روپیہ کے استعمال میں خیانت کی جاتی ہے۔ غریب قیدیوں کو (جو اپنے
رشتہ داروں کی تنگدستی اور مفلسی کے باعث رشوت مہیا نہیں کر سکتے) جو خوراک دی جاتی
ہے۔ اس میں بری ملاوٹ ہوتی ہے۔ آٹے میں بھوسی اور مٹی ملا دیتے ہیں اور سبزی
وغیرہ میں گھاس وغیرہ ملا دیتے ہیں۔ جب دال جیل میں مریض قیدیوں کو دی
جاتی ہے اس میں کثیر حصہ پانی کا ہوتا ہے

منٹگمری جیل کی حالت [illegible] وغیرہ کی [illegible] کے لحاظ سے سنٹرل جیل لاہور کی

آنی شروع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ میرے ساتھ کی کوٹھڑیوں میں گورداسپور سے سردار
گنڈا سنگھ وکیل مہنت بھگوانا تھہ ممبر۔ لالہ دیوا کرشن [illegible] کی جیسے مسٹر [illegible] علی
وکیل۔ لالہ پاتن مل عرضی نویس اور بٹالہ سے مسٹر ظہور علی وکیل لالہ سنت رام حافظ
عبدالرحمان سوداگر جیل میں تھے سامنے کی طرف مسٹر حسن شاہ وکیل لاہور مسٹر کالی ناتھ
رائے ایڈیٹر ٹریبیون۔ مہاشہ کرشن بی اے ایڈیٹر پرتاپ صاحبان کوٹھڑیوں میں بند تھے
مجھے کوٹھڑی میں داخل ہو کر شست سے معلوم ہوا کہ کوٹھڑی میں پیچھے کے داہنے اور بائیں
ہاتھ کو مٹی کے دو ٹھڑے ہیں۔ کوٹھڑی سے اس قدر سخت بدبو آتی تھی کہ دماغ پھٹا جاتا تھا
یہ کوٹھڑی ۸ × ۹ یا ۹ × ۱۰ فٹ کی تھی دریافت سے معلوم ہوا کہ پاخانہ کی تکلیف سے کئی
کنالی اور پرتاپ کا گملہ اسی چھوٹی کوٹھڑی میں ہے۔ گرمی ناقابل برداشت تھی۔ اس
کے علاوہ مچھر ہزاروں کی تعداد میں حملہ آور ہوتے تھے [illegible] دیکھا کر لیٹنا چاہا
اگرچہ سخت گرمی تھی تاہم مچھر اور بدبو سے بچنے کے لئے منہ پر کپڑا لپیٹا [illegible] آتی تھی۔
نہ بدبو کا مقابلہ ہو سکتا تھا۔ دو ڈھائی بجے مشکل آنکھ بند ہوئی ہوگی۔ کہ پہرہ بدلتے پہرہ
والے قیدی نے آواز دی۔ کون جوان۔ آنکھ کھل گئی [illegible] کیا
بات ہے میں نے قیدی سے کہا۔ اپنے صاحب فرماتے لیکن وہ چلا گیا اور کوئی جواب
نہ دیا۔ پھر صبح کے وقت تھوڑی سی نیند پڑی اور تھی تو دوسرے پہرے والے نے اسی
طرح آواز دی۔

لالہ دولی چند لالہ ہرکشن لال اور دیگر اصحاب کو بھی اسی قسم کی تنگ اور بدبودار
کوٹھڑیوں میں رکھا گیا تاہم کو صرف ۲۴ گھنٹوں میں بہت تھوڑے عرصہ کے لئے باہر
نکلنے کی اجازت تھی۔ تیسرے دن سپرنٹنڈنٹ کا دن۔ مجھے دیکھنے کے لئے آئے میں
نے اس سے شکایت کی کہ باہر نکلنے کا وقت نہیں دیا جاتا۔ اور سخت بدبو ہے اس
نے جواب دیا کہ تم کو [illegible] سے زیادہ باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی
[illegible] تیار ہے کہ چاہے صبح کو باہر نکلو چاہے شام کو
رات کو جیل خانہ میں [illegible] پٹھان لوگ پہرہ دیتے تھے۔ اور اگر کوئی [illegible] لیٹنے کے وقت

تھیں۔ مجھ کو ایک دن یہ سوچنے کا بار بار خیال رہتا کہ شاید کسی کی مہربانی ہے۔ لیکن
جب بستر اٹھانے لگا تو بچھونے کے نیچے بہت سے بیوی دیکھا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ کھٹمل نہیں
بلکہ پچھو ہیں۔ کھٹملوں کا ... سے پیدا ہوا تھا۔ کہ اکثر کھٹملوں میں بھی گانا گانے کی عادتیں
میرے ساتھ ... ایک کوٹھڑی میں مشہور بابا وسنت رائے وکیل قصور والے
اور ان کے ساتھ ... دوسری میں ماسٹر منظور علی وکیل بٹالہ تھے۔ اور اس کے ساتھ
کی کوٹھڑی میں مہاشہ رتن چند ریڑو لو کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور جسے امرتسر
کے مقدمے میں پھانسی کی سزا دی گئی تھی جس کی سزا اب عمر قید میں تبدیل کر دی گئی ہے
صبح ہی سب سے پہلے جس شخص کی آواز بھجن گانے کی میرے کان میں پہنچتی تھی وہ
بابا وسنت رائے تھے۔ سردار انند سنگھ اور مہاشہ رتن چند (ریڑو) بھی کبھی کبھی سریلی
آواز میں گایا کرتے تھے لیکن جب کبھی وہ گانا شروع کرتے تو قیدیوں کا پہرہ دار یا جمعدار
آ کر بند کر دیتا تھا۔

ایک دن میرا ایک ساتھی شام کے وقت میرے کہنے پر بھجن گا رہا تھا۔ ایک
جمعدار نے نہایت سخت الفاظ میں اس کی بے عزتی کی۔ وہ پہلا دن تھا جب کہ اس
تمام عرصہ میں میرے آنسو بھر آئے۔

پہلے دن مجھے سنٹرل جیل لاہور میں جو روٹی دی گئی۔ وہ معمولی قیدیوں کی تھی
روٹی بوسیدہ چنوں کی تھی۔ جو معلوم نہیں کہ کس چیز کی ملاوٹ سے سیاہ دکھائی دیتی تھی
اور صرف ایک طرف سے پکی ہوئی تھی۔ روٹی کے ساتھ مسور کی دال تھی۔ جو سخت سیاہ اور
قدرے بدبودار معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ لوہے کی دو پیالیاں دی گئی تھیں۔ جن میں سے
ایک بڑی اور ایک چھوٹی تھی۔ ایک پانی کی گھڑی بھی عنایت کی گئی تھی۔ اگرچہ وہ ایک
طرف سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ مگر اس میں پانی خوب سرد تھا۔ اس سیاہ تمام بدبودار روٹی اور
دال کو میں نے رکھ چھوڑا کیونکہ بھوک سے میری حالت اس قدر نازک نہ تھی کہ میں
اس بھیانک کھانے کو منہ میں ڈالنے کا حوصلہ کر سکتا۔

ایک دن لالہ دیوان چند جی بھنڈاری نے اپنے گھر کو کارڈ لکھنے کی اجازت حاصل کی

اور اس نے کارڈ میں لکھ دیا کہ ہم کو روٹی نہایت ناقص اور خراب دی جاتی ہے جسے کھایا
کوئی نہیں چاہتا ہوں کہ ہمارے تمام خطوط جیلخانے سے پہلے پڑھے جاتے تھے سپرنٹنڈنٹ
جیل کو اس خط کو پڑھ کر غصہ آگیا کہ لالہ دیوان چند کی یہ کارروائی بد
نیتی پر مبنی ہے اس لئے ان کی پیشی کی جائے۔

جب لالہ دیوان چند سپرنٹنڈنٹ جیل کے سامنے پیش ہوئے۔ تو آپ نے صاف
بتا دیا کہ واقعی جو روٹی ہم کو دی جاتی ہے اس کو آدمی کا کتا بھی کھانا پسند
نہیں کرے گا۔ اور ساتھ ہی انہوں نے اس معاملہ کو بھی لکھا ہے کہ ہم شریف آدمی ہیں
اس قسم کی روٹی کے کھانے کے عادی نہیں ہیں اس لئے ہمیں بھوکے رہنا پڑتا ہے

لالہ دیوان چند جی ابھی یہ فقرہ ختم کرنے بھی نہ پائے تھے کہ جیل کو صاف صاف باتیں سنانے پر
سپرنٹنڈنٹ جیل نے کہا کہ اس دفعہ تم کو معاف کر دیتا ہوں اور کوئی سزا نہیں دیتے
آئندہ آپ کبھی ایسی بات نہ کریں

اس عرصہ میں ہم نے بھی یہ شکایت کی تھی کہ ہم سے جو پیسے کٹتے ہیں وہ سب لئے
جائیں لیکن بدلے خدا ہمیں روٹی اچھی دی جائے۔ چونکہ ہمارا مطالبہ جائز تھا۔ یہ بھی پوچھی
جاتی ہے اور قبض کی شکایت جو عام ہو رہی تھی رفع ہو جائے۔ اس کا [illegible]
کا نتیجہ یہ ہوا کہ دال روٹی کھانے والوں کو علاوہ باقی اشیاء کے [illegible] جن کا اوپر
ذکر آ چکا ہے مال بھی ملنا شروع ہو گیا اور بجائے بیس روپے کے ان کا خرچ
تیس روپے ماہوار کیا گیا۔ میں نے اپنا خرچ بجائے بیس روپیہ کے پچیس روپیہ کرا دیا
تاکہ دال آلو زیادہ مل سکیں کیونکہ یہ چیزیں کافی مقدار میں نہیں ملتی تھیں۔ میں نے
ہر چند کوشش کی کہ مجھے کوئی سبزی سوائے آلو اور دال کے دی جائے لیکن کوئی
شنوائی نہ ہوئی۔

ایک دن میں اپنی کوٹھڑی سے باہر نکلا ہوا تھا کہ [illegible] اسیروں کو
اپنا اسباب لئے ہوئے [illegible] کے چہرے سے
[illegible] تھے [illegible] اور سلام [illegible] شروع

بھی نہیں ہوئے بعض کہتے کہ ہیں باہر نکلے صرف ۵ منٹ ہوئے ہیں مگر وہ کسی کی ایک سنتا نہیں تھا جھٹ سب کو اندر بند کر دیتا تھا۔

مسٹر کالی ناتھ رائے ایڈیٹر ٹریبیون کے مقدمہ کی سماعت شروع ہو چکی تھی جس دن ان کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا۔ اور ان کو سزا کا حکم سنایا گیا۔ اس دن ان کو اپنی کوٹھڑی میں لانے کی بجائے ہمارے احاطے کے منشی خانہ میں لے گئے کوئی ۱۰ بجے کا وقت تھا میں اس وقت باہر نکلا ہوا تھا اور چند دیگر ہمراہی بھی باہر تھے ہم بھاگے ہوئے ان کے پاس منشی خانہ میں گئے۔ کالی بابو کو اپنے کپڑے اتارنے کو کہا گیا اور ان کو ایک معمولی کرتہ اور جانگھیا پہننے کے لیے دیا گیا تھا۔ جب کالی بابو کے کپڑے اتار لیے گئے تو آپ نے پوچھا کہ میں ان کپڑوں کے ساتھ نہاؤں گا کیسے اور پھر کپڑے کہاں سے بدلوں گا تو جواب ملا کہ مجبوری ہے۔ اور کوئی کپڑا نہیں مل سکتا۔ صرف یہی جانگھیا کرتہ اور ٹوپی مل سکتی ہے۔ یہ آپ خود سوچ لیں کہ کیسے نہائیں گے۔ اور کیسے کپڑے بدلیں گے تا کہ رہے کہ چھ ماہ تک ایک قیدی کو صرف انہی کپڑوں میں گذارہ کرنا پڑتا ہے ۱۰ ماہ کے بعد یہ کپڑے واپس لے کر اور کپڑے دیئے جاتے ہیں۔

بعض بے سمجھ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ لوگ جو مارشل لاء کے ذریعے گرفتار ہوئے جیل میں جانا اپنی بے عزتی سمجھیں گے۔ لیکن واقعات نے یہ بالکل صاف کر دیا کہ اسیران مارشل لاء میں سے ایک کے دماغ میں بھی اس قسم کا ناپاک خیال پیدا نہیں ہوا ہم میں سے ہر ایک شخص اپنی حیثیت اور عزت کو جیل میں آ کے سے بڑھا ہوا پاتا تھا ہم جیل میں اپنا ایک ایک قدم عزت کا قدم سمجھتے تھے۔ یہ خیال ہر ایک مارشل لاء کے قیدی کے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ کہ میں مارشل لاء کے قیدیوں میں سے ہوں۔ چاہے جیل سے باہر میرا طرز معاشرت کچھ بھی کیوں نہ رہا ہو مگر مجھے یہاں پر عزت اور خودداری سے رہنا چاہیئے

ایک دن جب ہم کچہری سے واپس آ کر اپنی اپنی کوٹھڑیوں کی طرف جا رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ کوٹھڑی میں اسیران امرتسر میں سے چند کو دیکھا۔ یہ کمرہ جبلی کے اندر احاطہ نمبر (۱) میں تھا۔ ان لوگوں نے کرتا اور دھوتی پہنا ہوا تھا اور پنڈت کوتوال بیٹھے

ملزمانہ حیثیت میں بدترین قیدیوں کی ... [illegible]
کو ایسی سنگین کوٹھڑیوں میں رکھا لیا۔ جہاں کسی کی شکل نظر نہ آسکے۔ اور دوسری طرف
لوہے کے پنجروں میں ڈال دیا گیا کہ جہاں گرمی کی شدت سے ہوش و حواس تک سلامت
نہ رہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب معاملات ذرا ٹھنڈے ہونگے تو پارلیمنٹ اس بات کا
ضرور انتظام کرے گی کہ مجرم قرار دیے جانے سے پیشتر کسی شخص کو ایسے تکلیف دہ طریقہ
سے نہ رکھا جائے۔

قطار دار بارکوں کے پاس ہی ٹٹیاں ہوتی ہیں۔ ہر ایک کو ان ٹٹیوں
میں نمبروار بھیجا جاتا ہے۔ اچھی طرح بیٹھنے پر وہاں کوئی پردہ نہیں رہتا۔ چونکہ آدھ گھنٹہ
کے اندر اندر سارے قیدیوں کو ٹٹی سے فارغ کرنا ہوتا ہے۔ اس واسطے اکثر اوقات بغیر
پورے طور پر فارغ ہونے کے قیدیوں کو ٹٹی سے باہر آکر آبدست لینے کے لئے پانی کا
کوئی انتظام نہیں کیا جاتا۔ ایک نالی جو نلکے کے گندے پانی سے بھری ہوئی ہے۔ اس نالی
سے تھوڑا پانی صفائی کے لئے مل جائے تو غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ بعض حالتوں میں وہ بھی
نہیں ملتا۔ نہ وہاں مٹی رکھنے کا انتظام ہے۔ کہ جس سے وہ اپنے آپ کو صاف کرسکیں
ایک نلکہ ہے چونکہ سو آدمیوں کو تقریباً پانی لینا ہوتا ہے۔ اس لئے اگر نلکہ جاری بھی ہو
تب بھی وہاں سے سیر ہونے کے لئے پانی نہیں ملتا۔ نہانا تو ایک طرف رہا۔ اس لئے
اکثر ۷۵ فیصدی قیدی اسی گندی نالی سے پانی لیکر اپنے بدن پر ڈالتے ہیں۔ ٹٹی سے
باہر آنے اور نام نہاد ہاتھ دھونے کے بعد قیدیوں کو قطار دار بیٹھنا پڑتا ہے۔ وہاں پر
روٹی تقسیم کی جاتی ہے۔ آپ سوچ سکتے ہیں ایک صفائی پسند شخص کے لئے اور خاص
کر ہندوؤں کے لئے جن کے مذہب میں چھوت چھات بہت زیادہ ہے۔ گندے بدن
اور میلے ہاتھوں سے روٹی کھانا کس قدر باعث مصیبت ہوتا ہوگا۔

روٹی ایک طرف سے پکی ہوئی نہ کاہی دال اور نا قابل استعمال ساگ کے ساتھ جلدی
جلدی کھانی پڑتی ہے۔ ادھر روٹی ہاتھ میں دی جاتی ہے۔ اور ادھر گالیاں دے کر سر پر چڑھ جاتے
ہیں۔ کہ جلدی جلدی کھاؤ جلدی کرو اٹھو۔

[illegible]
اتنا گھبراہٹ ہے کہ بعض دفعہ جلدی کے خوف سے دو دو گھنٹہ پہلے قیدی تیار ہو کر بیٹھے رہتے ہیں۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایک طرف سے پکی ہوئی اور اس قدر جلدی سے کھائی ہوئی روٹی ہضم کیسے ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ہر ایک قیدی کو ساری کی ساری روٹی کھانی پڑتی ہے۔ روٹی کھانے کے فوراً بعد قیدیوں کو کام پر لے جایا جاتا ہے۔ دوپہر کے وقت بارہ بجے کے قریب بیٹھی ہوتی ہے اور ایک بھوئی ڈبہ چنوں سے بھری ہوئی قیدیوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ چنے اگرچہ لیبا اوقات کرم خوردہ ہوتے ہیں۔ لیکن ایسی چیزوں کو جیلخانہ میں ایک نعمت خیال کیا جاتا ہے۔ جس سے کہ میری رائے میں قیدی زندہ رہتے ہیں۔ جب ہم حوالاتی تھے اور روٹی ہمارے خرچ پر ہم کو کھلائی جاتی تھی تو ہم کو بھی یہ چنے قریباً دو بجے دوپہر کو ملا کرتے تھے۔ اور ہم اس نیک سگال افسر کے مشکور تھے جس نے جیل میں یہ [illegible] کیا ہے۔ اس روٹی سے جو ہم کو ملتی تھی ہم چنوں کا کھانا بہتر سمجھتے تھے۔ قید ہونے کے بعد بھی جب ہمارے ساتھی مشقتی قیدیوں کے پاس چلے آتے۔ تو وہ ان سے تھوڑے سے چنے لے لیا کرتے تھے۔ شام کو کام سے فارغ ہو کر پانچ اور چھ بجے کے درمیان پھر ایسے ہی قطار در قطار قیدی بٹھلائے جاتے۔ روٹی موٹی جبراً سب کی سب کھلائی جاتی۔ اور حاضری پکار لینے کے بعد سب کو ان کی بارکوں میں بند کر دیا جاتا۔ اور تالے لگائے جاتے۔ شام سے لیکر صبح تک ۱۱-۱۲ گھنٹے قیدیوں کو وہیں رہنا پڑتا تھا

جب مقدمہ جیل ہی میں رہا تھا۔ تب ہم میں سے چند ملزمان کو جیل کے یورپین وارڈ میں تبدیل کر دیا گیا۔ جس کو وارڈ نمبر ۱ کہتے ہیں۔ اس وارڈ میں لالہ سر کشن لال۔ ڈاکٹر گوکل چند۔ لالہ دھرم داس سوری۔ سید محسن شاہ وغیرہ کو رکھا گیا۔ لیکن مجھے لالہ دونی چند۔ ڈاکٹر ستیہ پال اور جیان تک مجھے یاد ہے ڈاکٹر کچلو وغیرہ کو وہاں نہیں لے گئے۔ ایک دو دن بعد مجھے بھی اسی وارڈ میں لے گئے۔ یورپین وارڈ میں ہمارے بھیجے جانے کے چند دن بعد وارڈر صاحب کا پیغام آیا کہ کوئی ایک انگریز قیدی باہر سے آنے والے ہیں۔ اس لئے

آپ کو یہ جگہ خالی کرنی ہوگی۔ آپ کے لئے قیدیوں کا وارڈ نمبر ۱۴ خالی کرایا گیا ہے۔ یہ وہ وارڈ ہے۔ جس میں بھائی پرمانند اور بہت سے امریکہ سے آئے ہوئے لوگوں کے خلاف مقدمہ کی سماعت ہوئی تھی۔ اور جس میں بعد میں بعض کو پھانسی کی سزائیں ملی تھیں۔ جب ہم اس کمرہ میں پہنچے۔ تو ابھی تک اس کمرہ میں عدالت کا کٹہرہ لگا ہوا تھا جس میں بھائی پرمانند اور دیگر ملزمان کھڑے ہوا کرتے تھے۔ ہم میں سے بہت سے اصحاب نے اس موقعہ پر کہا کہ ہم نے ان بیچاروں کی کوئی مدد نہ کی ہم ڈر گئے اور قانونی امداد بھی واجب طور یہاں کو کسی نے نہ دی۔ ایک صاحب نے کہا۔ کہ میں محسوس کرتا ہوں۔ کہ میں اس پاپ کی سزا بھگتنے کے لئے جو میں نے بھائی پرمانند کی مدد نہ کرنے میں کیا تھا اس کمرہ میں اس حالت میں موجود ہوں۔

جلیانوالہ کی داستان

(پنجاب کے مظالم کے صحیح حالات دیگر صوبوں میں پہنچانے والے شیر دل لالہ گوردھن داس کے قلم سے)

مجھے ۱۲ مئی ۱۹۱۹ء کو مدراس میں گرفتار کیا گیا۔ اور خاص نگرانی میں لاہور لایا گیا۔ لاہور پہنچنے پر مجھے مسٹر یونگ صاحب سپرنٹنڈنٹ محکمہ تفتیش جرائم کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ تم نے پنجاب گورنمنٹ کا منہ کالا کر دیا ہے۔ مسٹر کاکس صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل محکمہ تفتیش جرائم بھی کھڑے تھے۔ آپ نے مخاطب ہو کر کہا تم نے تمام ہندوستان کو افسروں کے خلاف کر دیا ہے

۱۴ مئی کو مجھے جیل میں بھیج دیا گیا۔ اور وہاں ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ مجھے صرف دس منٹ صبح کو اور دس منٹ شام کو کوٹھڑی سے باہر نکلنے کی اجازت تھی۔ مجھے دیگر قیدیوں سے علیحدہ رکھا گیا۔ کیونکہ افسران مجھے خطرناک آدمی

خیال کرتے تھے

۲۶ جون کو مجھ پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مگر اس کے بعد فوراً ہی مقدمہ واپس لے لیا گیا لیکن مجھے قانون تحفظ ہند کے ماتحت حکم نظربندی دیا گیا اور میں ایک ماہ تک نظربند رکھا گیا۔

۵ جولائی کو بمبئی کرانیکل میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس بنا پر مجھ پر مقدمہ قائم کیا گیا اور ۱۶ جولائی کو مجھے تین سال قید بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا ملی تھی۔ میں بھی ان ۳۷ خاص قیدیوں میں تھا۔ جن کے ساتھ اینگلو انڈین اخبارات کے بیان کے مطابق خاص سلوک کیا گیا تھا۔ ہم کو صبح کے وقت پنجوں اور شام کو دال کے سوا اور روٹی کے ساتھ اور کچھ نہیں ملتا تھا۔ صرف ایک تولہ گھی جو اکثر خراب ہی ہوتا تھا کھانے کے ساتھ دیا جاتا تھا۔ مگر شام کے کھانے میں گھی کی بجائے تیل کا استعمال ہوتا تھا۔ ہفتہ میں تقریباً دو مرتبہ ایک قسم کا سادہ گوشت یا مچھلی دیا جاتا تھا۔

لیکن مارشل لا کے ان قیدیوں کی حالت جو جیل میں یا بمبئی کے قریب تھے اور جن میں کئی تعلیم یافتہ اور معزز اصحاب بھی شامل تھے بہت ابتر تھی۔ ان کو عام قیدیوں کے ساتھ بند کیا گیا تھا۔ ان کی خوراک بدترین قسم کی تھی۔ بدتری اور دال کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ ان سے ہر قسم کی مشقت لی جاتی تھی اور موسم گرمی میں ان سے آٹھ گھنٹے روزانہ کام لیا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض کو قلیوں کا کام کرنا پڑتا تھا اور بعض کو چکی پیسنی پڑتی تھی۔

سب سے برا سلوک جو مارشل لا کے قیدیوں سے کیا گیا۔ وہ ان کو لوہے کے پنجروں میں بند کر دینا تھا۔ پنجرے لمبائی میں ۵ فٹ اور چوڑائی میں ۴½ فٹ کے قریب تھے بیچارے مصیبت زدگان ان میں کھڑے تک نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے ان کو پنجروں میں بیٹھے رہنا پڑتا تھا۔ سید داؤد غزنوی مسٹر تیج سنگھ بالا اور مسٹر سربدیال بیرسٹر جیسے اصحاب کو بھی اس مصیبت اور ذلت کی جگہ میں رکھا گیا۔

میں نے لاہور سنٹرل جیل میں کئی دفعہ ۱۲ - ۱۴ سال کی عمر کے لڑکوں کو ہتھکڑی باندھ کر

بید کی سزا دیے جاتے دیکھا۔ ان کے جسم پر صرف ایک لنگوٹی رہنے دی جاتی تھی۔ یہ سزا تہذیب کے نام پر ایک بدنما داغ ہے اور مجرم کو درست کرنے کی بجائے اس میں برائی کا مادہ پیدا کرتی ہے اس لئے اس وحشیانہ سزا کو جس قدر جلد ہو سکے بند کرنا ضروری ہے۔

جیل خانہ میں قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے۔ اور مجرم کو جس قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ وہ ان کو سخت دل بنا دیتی ہیں۔ اور ان میں ہمدردی کا مادہ بالکل نہیں رہتا۔ جیل خانے کے قواعد نہایت سخت ہیں۔

موسم گرما میں قیدیوں کو ۵ بجے صبح اور سرما میں ۶ بجے بستروں سے اٹھنا پڑتا ہے ان کو صبح کے کل فرائض انجام دینے کے لئے صرف ۱۵ منٹ کا وقت دیا جاتا ہے لاہور سنٹرل جیل میں پاخانے بہت کم تھے۔ بدیں وجہ اکثر قیدیوں کو تکلیف ہوتی تھی پانی کی بھی تنگی تھی۔

اگرچہ جیل کے ضابطے کے ماتحت قیدیوں کو باقاعدہ نہانا چاہیے۔ ان مصیبت زدگان کو پانی تک نہیں ملتا۔ بعض موقعوں پر میں نے لوگوں کو بیہوش اور اپنی کوٹھڑیوں میں پانی مانگتے دیکھا ہے

قیدیوں کو بارکوں میں جو چاروں طرف سے کھلی ہیں سونا پڑتا ہے۔ گو موسم سرما میں شمالی ہند میں سخت سردی پڑتی ہے پھر بھی جو کپڑے ان کو دئے جاتے ہیں بالکل ناکافی ہیں۔ ان کو تین عدد کمبل دئے جاتے ہیں۔ اس پر طرفہ یہ کہ تمام کے تمام اونی نہیں ہوتے۔

جیل کے ہسپتال کی حالت بھی قابل افسوس ہے۔ اکثر اوقات مریضوں کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ مریض وہاں جانا بھی پسند نہیں کرتے۔ دودھ میں کم از کم ستر فیصدی پانی ملا ہوتا ہے

جیل خانوں کی حالت تبھی سدھر سکتی ہے اگر جیل کی سختیوں کو کم کر دیا جائے اچھے پڑھے لکھوں کو داروغہ مقرر کیا جائے۔ اور جیلوں کو ریفارمیٹری سکولوں میں تبدیل کیا جائے

میری قید کی رام کہانی

(خاکسار لال چند فلک کے قلم سے -)

سنہ ۱۹۰۷ء میں پنجاب کی پولیٹیکل ہل چل میں عملی حصہ لینے اور ایکٹ نوآبادیات پنجاب و [illegible] مالگذاری دوآبہ کے خلاف پرزور صدا بلند کرنے کے معاوضہ میں پنجاب کے محکمہ خفیہ پولیس کی میرا نام پنجاب کے نا سرشتہ پولیٹیکل شورش پسندوں کی فہرست میں لکھ لیا گیا جس کی وجہ سے مجھے کمال تکالیف و مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ لاہور سے یا لاہور سے باہر جہاں کہیں بھی میں ہوتا میری کڑی نگرانی کی جاتی۔ اس نگرانی سے مجھے جو روحانی صدمہ محسوس ہوتا اس کو میں پورے نو سال تک بڑے صبر و اطمینان سے برداشت کرتا رہا۔

جولائی سنہ ۱۹۱۶ء جب میں مسٹر رائیوڈ صاحب جج چیف کورٹ پنجاب کے فیصلے کے مطابق جیل سے نجات حاصل کر کے آیا۔ تو مجھے ڈپٹی کمشنر لاہور مسٹر بٹلر نے بلا کر کہا کہ اگر تم گورنمنٹ کو ناجائز طور پر بدنام یا تنگ نہ کرو گے۔ تو تمہیں آئندہ کبھی کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے گی۔ اور مناسب وقت آنے پر تمہاری نگرانی بھی منسوخ کر دی جائے گی۔

میں نے ہمیشہ بٹلر صاحب کی اس ہدایات پر عمل کیا۔ اور ابھی کسی تحریر یا تقریر کے ذریعہ گورنمنٹ کو ناجائز طور پر بدنام کرنے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ نہایت امن و امان سے اپنی زندگی کے دن کاٹتا ہوا اس مناسب مبارک وقت کا منتظر رہا۔ جس کی آمد پر میری نگرانی کی منسوخی کا حکم جاری کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

اس عرصہ میں میں ملک و قوم کی خدمت میں برابر مصروف رہا اور تحریر و تقریر کے ذریعہ وطن اور جاتی کی جس قدر سیوا مجھ سے ہو سکتی تھی۔ اس کے کرنے سے میں نے کبھی دریغ نہ کیا۔ اور کرتا بھی کس طرح جبکہ میں دیش بھگتی کو اپنا دھرم اور قوم کی خدمت کو اپنا فرض مقدم سمجھتا ہوں۔ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت حتیٰ کہ موت بھی میرے اس [illegible]

سے اس پاک و مقدس جذبہ کو زائل نہیں کر سکتی ہے

وطن اور قوم کی الفت نہ میرے دل سے نکلے گی — یہ وہ تاثیر ہے مر کر بھی میرے گل سے نکلے گی

فروری ۱۹۱۴ء میں جب میں آئے دن کی پولیٹکل تلاشیوں سے تنگ آ گیا تو میں نے
اخبار روشن امید میں ایک زبردست تنقیدی چٹھی لکھ کر گورنمنٹ پنجاب اور ذمہ دار پولیس افسروں کو
سمجھایا۔ کہ وہ انصاف سے کام لیں۔ آیندہ مجھ غریب کو ناجائز و بے محل تلاشیوں سے
پریشان نہ کریں۔ اور مجھے ایک علم دوست شہری اور امن پسند دیش بھگت کی زندگی
بسر کرنے دیں۔ جو میری عین خواہش ہے۔

یہی بات میں نے اس وقت کے ڈپٹی کمشنر ایچ پی ٹاملنسن سے مل کر کہی جس
نے اس امر کی طرف گورنمنٹ پنجاب کی توجہ دلانے کا وعدہ کیا۔

ان دنوں میں نے اپنی پبلک زندگی میں اپنے آپ کو ایک امن پسند دیش سیوک
ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ میں نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے گورنمنٹ پر
یہ بات روز روشن کی طرح عیاں کر دی۔ کہ جہاں میں اپنے ملک و قوم کا ایک لیڈر اور بے غرض
خیر خواہ و خدمت گار ہوں۔ وہاں گورنمنٹ کے اچھے کاموں کا بھی تہ دل سے معترف ہوں
یہی وجہ تھی کہ ۱۹۱۶ء کے وسط میں میرا نام پنجاب کے نامور مشتبہ پولیٹکل شورش
پسندوں کی فہرست سے کاٹ دیا گیا۔ جہاں میری اس نجات پر پبلک نے خوشی کا اظہار
کیا۔ وہاں لاہور کے بعض تنگدل اور پولیس افسروں کے گھروں میں ماتم بپا ہو گیا۔ انہوں
نے میرے خلاف زہر اگلنا اور جھوٹی رپورٹیں دینے کا سلسلہ بدستور جاری رکھنا چاہا۔ چنانچہ
جب میں ہوم رول کا ریزولیوشن پاس کرنے والی لکھنؤ کانگریس دیکھ کر لاہور میں واپس
آیا۔ تو اس موقعہ کو چند دشمن ملک و جماعت محمودوں نے میرے متعلق غلط فہمی پیدا کرنے
کے لیے نہایت موزوں و مناسب موقعہ سمجھا۔ اور افسران اعلیٰ کو اس مطلب کی رپورٹیں
دینی شروع کیں کہ لال چند فلک کانگریس سے تلک کی خاص ہدایات لے کر آیا ہے
وہ خود مسٹر تلک کی ہوم رول لیگ کا ممبر بن آیا ہے اس کا ممبری فارم ساتھ ہے۔ اس نے
لاہور میں مسٹر تلک کی ہوم رول لیگ کی برانچ کھول دی ہے۔ وہ عنقریب تمام پنجا

میں مزید شاخیں قائم کر کے ہوم رول کی تحریک کو ترقی دیگا۔ مسٹر تلک اور ہوم رول کے دیگر تحریک کنندوں کو بلائیگا۔ اور پنجاب میں سنہ ۱۹۰۷ء کی طرح ایک ہل چل ڈال دیگا وغیرہ وغیرہ"

میرا خیال نہیں بلکہ یقین تھا۔ کہ گورنمنٹ ان رپورٹوں کو صحیح تسلیم کرنے سے پیشتر ان کی کافی سے زیادہ تصدیق کر لے گی جس سے خود بخود مخبروں کی قلعی کھل جائیگی لیکن اُن کی خوش قسمتی سے بریڈلا ہال لاہور میں اصلاحات بعد از جنگ کے متعلق ایک زبردست اور دلیرانہ جلسہ ہوگیا۔ اس جلسہ میں مزید پولیٹکل جلسوں کے منعقد ہونے کی امید دلائی گئی۔ پنجاب میں اس نئی پولیٹکل جدوجہد کو دیکھکر پولیٹکل تحریک کے جانی دشمن سر مائیکل اوڈوائر اور اس کی گورنمنٹ نے مذکورہ بالا رپورٹوں پر بھروسہ کر لیا۔ اور پیش بندی کے طور پر پنجاب میں تلک مہاراج اور بابو بپن چندر پال کی آمد کی ممانعت کا حکم جاری کر دیا

لیکن ایسا فرمان جاری کرنے سے پیشتر اس امر پر غور نہ کیا گیا۔ کہ جس صوبہ کے قریباً ڈیڑھ درجن نامور لیکچراروں میں سے بریڈلا ہال کے جلسہ میں ایک نے بھی ہوم رول کا ذکر کرتے ہوئے تلک مہاراج کا نام تک لینے کی جرأت نہ کی۔ وہ صوبہ تلک مہاراج کو ہوم رول پر لیکچر دینے کی دعوت کیونکر دے سکتا ہے

میں نے بھی ہندوستان کے سلیم الطبع دیش سیوکوں کی طرح اس انتہائی حکم کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور پنجاب میں تلک مہاراج کے داخلے کی بندش کا حقیقی سبب کے عنوان سے ایک نہایت زوردار مضمون لکھکر مخبروں کی کارستانی پر حیرت انگیز روشنی ڈالی۔ یہ مضمون ۵ مارچ سنہ ۱۹۱۷ء کے "نظارہ" میں نکلا۔ اس کے شائع ہوتے ہی مخبروں اور ان کی رپورٹوں کو اعلیٰ حکام کے آگے پیش کرنے والے ذمہ دار افسروں میں سخت تشویش پھیل گئی۔ اور انہوں نے ایسی حربی رپورٹوں کی جو اُنہوں کی آزمائش میں پڑنے کی تکلیف سے بچنے کے لئے میرے خلاف جال پھیلانا شروع کر دیا۔

ان وسیع اختیارات اور طاقتوں سے جو فرنٹیر کرائمز ریگولیشن ... مائیکل اوڈوائر کے عہد میں پولیس

اور سی آئی ڈی کو حاصل تھیں۔ ان کا اپنے اس ظالمانہ مقصد میں کامیاب ہونا ایک معمولی
سی بات تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے لاہور کے چند نوجوانوں پر (جو گاہے گاہے قومی گیت
گایا کرتے تھے) اپنے ڈورے ڈالے اور ان کو اپنے ایک ایجنٹ یعنی بھاڑے کے ٹٹو
کے ذریعہ ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء کے روز شراب اور ڈانس کی دعوت دیکر چند قومی گیت
سنے۔ اور بعد میں ۲ اپریل کو دوپہر کے وقت مجھے انڈیا ڈیفنس ایکٹ کے ماتحت حراست
میں لیکر نولکھا کے تھانہ کی حوالات میں بند کر دیا گیا۔ میرے مکان اور دکان پر بڑی
سختی کے ساتھ تلاشی لی گئی۔ لیکن کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی۔ نولکھے کی حوالات
میں میرے والدین وغیرہ کسی کو بھی میرے ساتھ ملنے کی اجازت نہ دی گئی۔ میری گرفتاری
کے وقت مجھے گرفتاری کی وجہ نہیں بتلائی گئی تھی نہ ہی میرے وارنٹ پر کوئی دفعہ لکھی ہوئی
تھی۔ دوسرے الفاظ میں میں اس وقت تک بالکل بے قصور تھا۔ اور مجھ پر سی آئی ڈی کوئی
الزام لگانے کے نا قابل تھی۔ لیکن جنگ کی وجہ سے گھبرائے ہوئے انگریز حکام نے کسی کو بھی
حراست میں لینے کے جو اختیارات اسے دے رکھے تھے۔ ان کی بدولت پہلے اس نے
مجھے آزادی سے محروم کر کے آہنی پنجرے میں ڈال دیا۔ اور بعد میں میرے خلاف الزام
گھڑنے اور شہادت فراہم کرنے کا کام شروع کیا۔ اس منحوس کام میں اپنے نام کامیابی
حاصل کرنے کے لئے سی آئی ڈی اور لوکل پولیس افسروں کو پورا ایک ماہ صرف کرنا پڑا۔
لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنے لگائے ہوئے الزامات کے ثبوت میں اپنے سکھلائے
پڑھائے ہوئے معافی دار ملزموں کے علاوہ کوئی آزاد گواہ یا تحریری شہادت نہ پیش کر سکے۔

۱۳ مئی کو اپنا چالان مکمل کر کے ۱۴ مئی کی صبح کو مجھے لاہور سنٹرل جیل میں بھیج دیا گیا جہاں
مجھے پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کیا گیا۔ اور تعزیرات ہند کی ۱۲۰ سے لیکر ۱۲۴ تک کی سخت
ترین دفعات میرے نام کے خلاف لکھ دی گئیں۔ ۲۸ مئی کو میرے خلاف مقدمہ کی سماعت
جیل کے اندر بیٹھنے والی کمیشن کے سامنے شروع ہوئی۔

سرکاری وکیل نے افتتاحی تقریر کی۔ پولیس افسروں اور ان کے طوطے کی طرح پڑھائے
سکھلائے معافی دار ملزموں یا سرکاری گواہوں کی شہادت قلمبند ہوئی۔ جو فوٹوگراف کے

ریکارڈ (توے) کی طرح بلا جھجک سکھائے ہوئے سبق کو دہراتے جاتے تھے۔ اور اگر کوئی کمی رہ جاتی تھی۔ تو سرکاری وکیل اپنے الفاظ، اشارے اور کنایہ سے ان کی یادداشت پر زور ڈال کر پوری کرا لیتا تھا۔ غیر انداز دس روز تک یہ مضحکہ خیز عدالتی تماشہ جیل کے اندر ہوتا رہا۔ شہادتیں ہوئیں۔ بیان لئے گئے۔ استغاثہ اور صفائی کی تقریریں ہوئیں اور ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو شام کے پانچ بجے کے قریب مجھے عمر قید کالے پانی میں رہنے کا ظالمانہ حکم سنا دیا گیا۔

عدالت کا رویہ پہلے ہی سے میرے خلاف تھا۔ اس لئے عدالت کے خیال سے تو پہلے ہی ایسی تھی۔ مگر اپنی بیگناہی اور ایشور کی دیا سے پوری پوری امید تھی لیکن افسوس کہ دونوں امیدیں فیصلہ کے روز خاک میں مل گئیں۔ سب کے دل سب عدالت میں رہ پڑے تھے۔ لیکن میں نے خوش ہو کر کہا تھا کہ میرے ساتھ انصاف کیا جائے۔ فیصلہ سن کر میں نے بالکل افسوس نہ کیا۔ بلکہ ٹریبیونل کمیشن کا شکریہ ادا کیا۔ اور بڑی خوشی سے قیدیوں کے کپڑے پہنے۔ اسے ایشور کی مرضی سمجھ کر میں بالکل نہیں گھبرایا۔ سزا بڑی ظالمانہ اور سخت تھی۔ جیتے جی قبرستان میں جا پڑنے والا معاملہ تھا۔ لیکن پرماتما نے نہ معلوم کس طرح صبر و شکر کی سل اٹھا کر چھاتی پر دھر دی تھی۔ میں نے اس روز ایشور سے خوب پرارتھنا کی۔ اور اس کے گن گان بادگائے۔ پنجابی کا مصرع ؎

منہ نہ بول اسیتی سب کیتیاں کماں چھڑا سی

اور یہ بھی

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہے۔

؎ رنج اچھا نہ غم اچھا ہے ملال اچھا ہے ؎ کہ جس حال میں رکھے تو وہی حال اچھا ہے

وغیرہ اشعار زبان کا ورد رہے۔ دوسرے دن ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کا ملاحظہ ہوا۔ مشقت لینی کا اس کے اختیار میں تھی۔ اس نے ۱۲۱ و ۱۲۴ دفعہ دیکھتے ہی فوراً دس سیر مونج کٹائی کی کار روزانہ لکھ دی۔ میں قلم چلانے والے اکثر آدمی بھلا مونج کہاں کوٹ سکتا تھا۔ میں نے کہا کہ مونج نہیں کوٹوں گا۔ دو روز تک میں سے کبھی مونج نہ کوٹی بلکہ کوٹی ایک دو قیدیوں نے از راہ ہمدردی جو سیر ڈیڑھ سیر کوٹ دی۔ وہی شام کو جا کر گودام

میں وہ دی۔ آخر ڈپٹی نے پیشی لکھی۔ بڑے سپرنٹنڈنٹ کے پیش ہوئے۔ اس نے سامنے
جاتے اور میرا نام پڑھتے ہی عجب انداز سے سر ہلایا اور کہا کہ "فلاک" میں نے کہا ٹھیک
اس پر فوراً ایک مہینے کے لئے چکی پیسنے کی ظالمانہ سزا ملی۔ حالانکہ ایک ماہ چکی بڑے
بڑے بدمعاشوں کو اور خطرناک کام کرنے کے لئے دی جاتی ہے اور کام کی پہلی پیشی یا تو
معاف کر دی جاتی ہے۔ یا ہم رات ہتھکڑی دی جاتی ہے۔ لیکن میرے حال پر ان
لوگوں کی خاص شفقت تھی۔ افسوس ہے کہ یہی لوگ جرمنوں کو قیدیوں کے ساتھ سختی
سے پیش آنے پر کوستے ہیں۔ میں تو پہلے سپرنٹنڈنٹ سے کہنے لگا تھا کہ "اگر سر ایڈورڈ گرے
کو جرمن جیلخانہ میں مونج کٹائی کا کام دیا جاتا۔ تو انگریزی اخبار زمین آسمان سر پر اٹھا لیتے
لیکن اب آپ خود ولیا وحشیانہ ظلم میرے ساتھ کر رہے ہیں جو انگریزوں کے لئے باعث
ندامت ہے"۔ لیکن "تازہ" تازہ معاملہ ہونے کے سبب خاموش رہا۔ میں نے اسی وقت
حسب ذیل شعر کہا ؎

فلاک صاحب دونو صاحبوں نے خاص شفقت کی
کٹائی مونج کی دی ایک نے اور ایک نے چکی دی

اس کے بعد جب میں پیشی سے واپس آیا تو مجھے سیاست خانہ (جہاں عام قیدی
چکی پیستے ہیں) نہ بھیجا گیا۔ بلکہ ۱۳ نمبر میں خاص میرے لئے چکی لگوائی گئی۔ اور علیحدہ چکی
دی گئی۔ لوگوں کے ساتھ چکیوں میں نہ بھیجا گیا۔ ۱۳ نمبر ڈ احاطہ نمبر ہے۔ جہاں پہلے
بڑے بڑے خوفناک بدمعاش قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔ لیکن جب عدم ادم سازش کے
مقدمے شروع ہوئے تب سے سازشی اور پھانسی والے ملزم اسمیں بند رکھے جاتے
لگے چنانچہ میں بھی جب سے گرفتار ہو کر جیل میں بھیجا تھا۔ اسی نمبر میں بند تھا۔ اس جیل
میں تین ہزار کے قریب قیدی تھے۔ لیکن میں پھانسی والوں سے بھی زیادہ اہم اور خطرناک
سمجھا جاتا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ کو ہر وقت میری فکر رہتی تھی۔ عرصہ دراز تک میں پھانسی والی
کوٹھڑی میں ہی بند رہا۔ ہاں! میرے لئے خاص چکی ۱۳ نمبر میں تیار ہوئی۔ اور مجھے
۱۴ سیر دانے پیسنے کو ملے۔ چکی سے ہرگز نہیں ڈرنا میں نے فوراً دانے پیس کر کہنے

بعد میں ڈاکٹر صاحب نے میری صحت کے مطابق ۱۲ سیر سے ۹ سیر کر دیے۔ خیر پہلاں دن
کو چکی پیس کر رات کو میں پھانسی پانے کے منتظر مجرموں میں جا بیٹھتا۔ جیل میں دو بڑے
بڑے سرکل Circle یعنی احاطے ہیں۔ ۱۴ نمبر سرکل نمبر ۲ میں واقع ہے۔ مونج کٹائی
کے لیے سرکل نمبر ۱ میں جانا پڑتا تھا۔ میں نے دونوں سرکلوں کے متعلق ایک شعر کہا ؎

فلک بکیں یہ دونوں سرکلوں میں قہر و آفت ہے
مصیبت مونج کی ہے واں یہاں چکی کی زحمت ہے

میری چکی کے نزدیک نمبر ۱۴ نمبر کے آہنی بنگلے کے بار غلہ گودام تھا۔ وہاں خراس
لگا ہوا تھا۔ جہاں بیلوں کی جگہ آدمی جوتے جاتے تھے۔ اور حیوانوں کی طرح ان کے چوتڑوں
پر جوتے مارے جاتے تھے۔ جوتوں کی تڑا تڑ آواز مجھے اکثر حیران کرتی اور چونکا دیتی
تھی۔ میں اپنے ان بدنصیب اہل وطن کی (گو وہ جرائم پیشہ لوگ ہی تھے) اس ذلت پر
اکثر روتا اور بھگوان سے پرارتھنا کرتا۔ کہ وہ ان کو اعلیٰ بخشے۔ اور اس مصیبت سے
چھڑا لے۔ اس موقعہ پر بھی میں نے حسب ذیل طبع آزمائی کی ؎

لیا جاتا ہے انسانوں سے بھی یاں کام بیلوں کا — مقام دل لگی زنداں نہیں اک جائے عبرت ہے
یہ حیرت ناک نظارے فلک نے دیکھ کر پوچھا — یہ کھیل کرموں کا ہے کہ ظالم پاپ کی قدرت ہے

لاہور سنٹرل جیل کے داروغہ جی ورا شعر شاعری کے قدر شناس تھے۔ اور خدا
پرستی کے بھی دعویدار معلوم ہوتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے کہا ؎

تمہارے عہد میں صد حیف ہو پیسے فلک چکی
فلک کیا مالک ارض و فلک کو بخت حیرت ہے

داروغہ صاحب پہلے یہ شعر سنکر ہنس دیے۔ پھر یہ شعر سن کر گھبرا گئے۔ چند دنوں میں نے
بڑے شوق سے چکی پیسی۔ لوگ چکی کے نام سے ڈر جاتے ہیں۔ لیکن مجھے جب صاحب نے
چکی دی۔ تو میں دل میں خوش ہوا۔ کیونکہ میں چکی کو کچھ بیچ نہیں سمجھتا۔ خیر چکی کا خاتمہ ہوا۔ چکی
پیستے پیستے میں نے اپنی مصیبت اور سزا کے متعلق حسب ذیل شعر کہا تھا ؎

وہ ملزم ہوں جسے قانون کی سنگین چکی نے — سمجھ کر خشک دانا پُر تکلف پیس ڈالا ہے

انہی دنوں میں نے ایک اور شعر بھی کہا تھا۔

پڑے ہیں پیٹنے دل نے فلک نازک خیالوں کو — کتائی مونج کی ملتی ہے یاں بجائے لالوں کو

لاہور جیل کے داروغہ صاحب ہر وقت خدا خدا کرتے تھے۔ ہاتھ میں تسبیح رکھتے تھے۔ میں نے ان کی ماتحتی میں چکی پیسی۔ دانے رگڑے اور اسی وجہ سے ایک شعر موزوں کیا تھا

مجھ کو ہیں دانے دئے آپ صاحب تسبیح لے
کس طرح بھولوں فلک میں خدا کا نام ہے

انہی دنوں ایک دن داروغہ صاحب میرے پاس سے گزرے۔ پوچھنے لگے فلک صاحب کیا حال ہے۔ کیا آپ ہر طرح اچھے ہیں۔ میں نے فوراً ایک شعر موزوں کیا۔ یہ دن رمضان مبارک کے تھے

مبارک ماہ رمضان میں تمہیں حق کی عبادت ہو
فلک بھی نام لے اس کا اگر چکی سے فرصت ہو

وہ ہنس کر چل دیئے۔ داروغہ صاحب کے پاس شہر سے اشتہار آیا تھا جس میں مشاعرہ کا ذکر تھا۔ مصرعہ طرح پر دو تین غزلوں کے علاوہ میں نے مندرجہ ذیل متفرق شعر بھی کہے تھے

تھام لیتا آپ زنداں کے در و دیوار کو — یاد میں کرنے لگا ہوں چشم دریا بار کو
مذہب و ملت پہ کر دی جان تک جس نے نثار — آفریں صد آفریں اس مرد ہمت کار کو
لگ گیا ہے زنگ یا کہ کھا گیا ہے سوچتا — یا الٰہی کیا ہوا ہے ہند کی تلوار کو

جب چکی ختم ہوئی میں نے پکا ارادہ کیا۔ کہ میں مونج شوق سے کوٹوں گا۔ اور مادر ہند کے لئے کسی سخت سے سخت کام اور تکلیف کا بھی خندہ پیشانی سے مقابلہ کر کے دکھلاؤں گا۔ کرتا۔ ماتا کو پریم کرتا ہوں ہندوستان سے سچی محبت و عقیدت رکھتا ہوں گو میں ڈاکو نہیں۔ سازشی نہیں ہوں بے گناہ ہوں اور رشوت میں مارا گیا ہوں۔ تاہم مجھ پر یہ مصیبت پڑی ہے۔ اسی واسطے لائے ہیں کامیاب ہوئی ہے کہ میں ہندوستان کو پیار کرتا ہوں۔ اور اہل ہند کے لئے پولیٹکل حقوق طلب کرتا ہوں میں اپنے ملک کیلئے Arms Act ایکٹ قانون اسلحہ کو زہر قاتل سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے ملک کی بہادری اور حفاظت جنگی کا [illegible]

بنگال کے ۹ عدد نامور دیش بھگتوں کو فروری سنہ ۱۹۲۱ء کو بارتے کے منٹو کی اصلاح یافتہ کونسلوں کے افتتاحی اجلاس کے موقعہ پر آزادیاں نصیب ہوئی تھیں۔ اسی تلقین کی وجہ سے ایک روز جب مجھے مسٹر جیکٹ سپرنٹنڈنٹ جیل نے آکر کہا۔ کہ لاٹ صاحب نے تم پر بڑی مہربانی کی کہ تمہاری سزا چھ سال کم کر دی ہے۔ تو میں نے چہرے پر شکن ڈال کر جواب دیا کہ "ہاں صاحب بڑی مہربانی کی ہے۔ مجھے بیگناہ کے بیس سال چھین کر اس میں سے چھ سال واپس کر دیے ہیں۔ واقعی یہ بڑی مہربانی ہے۔ اگر قیصر جرمنی غاصبانہ طور پر بلجیم کا ⅞ حصہ اپنی سلطنت میں شامل کر لے۔ اور باقی ⅛ حصہ البرٹ شاہ بلجیم کو واپس کر دے۔ تو آپ اسے بھی قیصر کی بڑی مہربانی سمجھیں گے۔ آپ مہربانی کر کے لاٹ صاحب کو لکھ دیجئے۔ کہ وہ اپنی اس مہربانی کو واپس لے لے۔ میرے نزدیک یہ کوئی مہربانی نہیں ہے۔" جیکٹ صاحب میرے ان الفاظ کو سنکر ایک کبھوں چڑھا کر چل دیا۔

جب میں آزاد تھا۔ اور اپنی حقیقی اور بزرگ ترین ماں مقدس بھارت ماتا کی خدمت میں محو و مست رہتا تھا۔ تو میری دیوی ماں شریمتی پاربتی دیوی مجھ سے کہا کرتی تھی۔ کہ بیٹا انگریزوں میں خوبیاں بہت سی سائیاں ہیں۔ وہاں ان میں کئی ایک گن بھی ہیں۔ وہ اپنے ملک کے خیر خواہ ہیں۔ قوم پرور ہیں۔ اور راست باز وسیع اور بیصد [illegible] واقعہ ہوئے ہیں اگر تم اپنے ملک و قوم کے حقوق کے مطالبہ میں متانت کا مہذبانہ کام لو گے اپنی پولیٹیکل جدوجہد میں حکومت کے احترام کو ہاتھ سے نہ دو گے۔ اور حکمرانوں کے مظالم کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے ان کے اچھے کاموں کے اعتراف سے محترز نہ رہو گے۔ تو انگریز کبھی تمہارے ساتھ سختی کا برتاؤ یا ناانصافی نہیں کریں گے۔ اپنی ماتا کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے میں نے جولائی سنہ ۱۹۱۰ء سے لیکر ۲۔ اپریل سنہ ۱۹۱۷ء تک اپنے لب و لہجہ میں نرمی اور اعتدال کو جگہ دے رکھی۔ اور انگریزوں کی خوبیوں کا بھی کافی سے زیادہ اعتراف کیا جس کے ساتھ انکا [illegible] بان و قلم سے [illegible]

[illegible]

جھوٹے مخبروں اور طوطے کی طرح سکھلائے پڑھائے ہوئے سرکاری گواہوں کے
سراسر جھوٹے اور لغو بیانات پر عمر بھر کالے پانی بھیجے جانے کی ظالمانہ و وحشیانہ سزا
دیدی۔ تو میں نے اپنی ماتا کو جبکہ وہ مجھے لاہور سنٹرل جیل میں ملنے کے لئے روتی
ہوئی آئی۔ نہایت طنز آمیز لہجہ میں کہا۔ کہ تمہاری سادہ لوح اور بھولی بھالی ماتا
دیکھی انگریزوں کی منصف مزاجی؟ انہوں نے تمہارے بیٹے کی نرم مزاجی، اعتدال
پسندی اور وفاداری کا کیسا عمدہ صلہ دیا ہے۔ افسوس کہ تم نے مجھے اپنے اپدیشوں سے
اعتدال پسند بنا کر بیس سالہ قید کی مصیبت میں پھنسایا۔ ورنہ میں کوئی بہادرانہ کارنامہ
دکھا کر سوڈر سیکٹریوں کی طرح خندہ پیشانی کے ساتھ پھانسی کے تختہ پر چڑھ کر
زندہ جاوید ہو جاتا۔ میری ایک سعی میں موت تھی اور دوسری میں دائمی زندگی اور میں
تو نے مجھے دونوں میں سے ایک کو بھی نہ حاصل کرنے دیا۔ میرا خیال غلط نکلا [illegible]
انگریز اس سے بھی کہیں زیادہ ظالم نکلے۔ جس قدر کہ میں پہلے سمجھتا تھا۔ میری امیدوں کا
خون ہو گیا! میری مرادوں کا باغ اجڑ گیا۔ رکھو یہ جو۔ ایشور سے پرارتھنا کرتا کہ تلک
مہاراج اور مسز بیسنٹ کی ہوم رول کی تحریک کی فتح ہو جس سے تیرا، میرا اور
سارے دیش کا بھلا ہو گا۔ اُٹھ اب کائروں اور بزدلوں کی طرح میرے سامنے
میری کھوئی ہوئی زندگی اور چھینی ہوئی آزادی کا ماتم نہ کرنا۔ آہ! یہ تیرے آنسو بہانا جو میری
آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جا۔ میں تجھے اس حالت میں زیادہ دیر تک دیکھ نہیں سکتا۔
ان الفاظ کے خاتمہ کے ساتھ میرا صبر و تحمل بھی ختم ہو گیا۔ میری آنکھوں سے بھی ٹپ
ٹپ آنسو ٹپکنے لگے۔ میں اسی حالت میں جی کڑا کر کے اٹھا۔ اور اپنے [illegible] کرتے
کے آنچل سے اپنے آنسوؤں کو پونچھتا ہوا اپنی کال کوٹھڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ستمبر
کے پہلے ہفتہ میں جب میری ماتا ملاقات کو آئی تو میں نے اسے [illegible] اچھی طرح تسلی دی
اور ہوم رول کی تحریک کے مسئلہ کو نہایت غور کے ساتھ [illegible] کوشش کر کے
بتلایا کہ اس کے خاتمہ پر جب کانگرس اور مسلم لیگ کا متحدہ مطالبہ [illegible] حاصل
ہو گا تو ہم پولیٹکل قیدیوں کے معاملہ پر [illegible]

کے ساتھ کپڑوں کو دیکھا۔ میں جیل کے بیرونی پھاٹک کے قریب آہنی جنگلوں میں کھڑا ہوا ایسا
پاگل بنا دینے والا نظارہ دیکھ رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ایک عمر رسیدہ ماتا اپنے مردہ بچے کے
کپڑے دیکھ دیکھ کر بے موت مری جا رہی ہے۔" اب میں نے اپنے آپ کو اس غمناک نظارے
کی مزید دید کے ناقابل پایا۔ میں نے دربان جمعدار سے جیل کے اندرونی پھاٹک کھولنے
کے لئے کہا۔ پھاٹک کھلا۔ میں بحرِ غم میں غرقاب اپنی اکال کوٹھڑی میں پہنچا۔ کمبل اوڑھ
کر اور آنکھیں بند کرکے کھڈی (خام اینٹوں کا تھڑا جس سے جیل میں چارپائی کا کام لیا جاتا
ہے) پر دراز ہو گیا۔ ایام قید میں اس المناک نظارے کی یاد میرے دل و دماغ پر اکثر
اوقات بجلی کا سا اثر کر جاتی تھی۔

مجھے دس سیر والے روز پیسنے کو ملتے تھے لیکن میں فقط پانچ ساڑھے پانچ سیر گڑا
کرتا تھا۔ چکیوں کا انچارج بابو اور قیدی منشی دونوں میرا لحاظ کرتے تھے۔ ہمیشہ اخلاق اور
شیریں بیانی سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے ۱۴ اکتوبر سے ۸ نومبر تک میرے خلاف کوئی
رپورٹ نہ کی تھی۔ ۹ نومبر یعنی ملاقات کے دوسرے دن میری طبیعت علیل ہو گئی۔
میں نے اس روز ۲ یا ۲ ۱/۲ سیر کے قریب دانے رگڑے ہونگے۔ ۱۰ نومبر کو میں نے بابو کی
آنکھیں کچھ بدلی ہوئی دیکھیں۔ بابو نے میرا ہسٹری ٹکٹ ہاتھ میں لے کر مجھے پیشی یعنی
سپرنٹنڈنٹ کے سامنے سزا کے لئے پیش کرنے کی دھمکی دی۔ میں نے کہا کہ آج تک
کسی ہندوستانی نے میری پیشی نہیں لکھی۔ افسوس ہے کہ تم ہندوستانی ہو کر مجھے سپرنٹنڈنٹ
کے سامنے سزا کے لئے پیش کرنے کی دھمکی دیتے ہو۔" اس نے نرے روکھے پن سے جواب دیا
کہ "مجھ سے ایسی امید نہ رکھو۔" میں جواب میں "بہت اچھا" کہہ کر بڑی لاپرواہی سے اپنی کوٹھڑی
میں چلا آیا۔ بابو نے میرے ٹکٹ پر [illegible] کرنے کی رپورٹ لکھ دی۔ میں نے رات کو اپنے
دل میں وچار کیا کہ اگر بابو کی دھمکی سے ڈر کر پورے دس سیر والے پیس دئے تو بابو کیا
خیال کرے گا کہ میں نے [illegible] کر دکھایا کہ اس سے چکی کی پوری مشقت کروالی۔" اس بات
کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے جان کو ان پر قربان کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور دل سے استقامت
کا تہیہ کر لیا کہ میں آئندہ [illegible] پر اتمام قادر مطلق خدا کا بھروسہ رکھوں گا۔ اور جب

جب اس بابو کے رویہ میں تبدیلی نہ ہوگی چکی کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ چنانچہ دوسرے دن
میں نے چکی پیسنا بالکل بند کر دیا اور سات روز تک مشقت کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ بابو کا جو تھا
تین رپورٹیں لکھ کر کھڑا ہو گیا مجھے سپرنٹنڈنٹ کے سامنے تین دن لگاتار کام نہ کرنے کے
قصور میں پیش کیا گیا سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے کام نہ کرنے کا سبب پوچھا۔ میں نے جواب
دیا کہ چھ ماہ کوٹھڑی میں رہتے رہتے میری صحت سخت خراب ہو گئی ہے میں اپنے آپ کو اب چکی
پیسنے کے بالکل ناقابل پاتا ہوں۔ اگر اور کوئی کام ملے تو کر دوں گا۔ چکی ہرگز نہیں پیس سکتا
ہر قیدی کی مشقت کا پتہ لگایا ہے قواعد جیل کے مطابق ملتی رہتی ہے۔ لیکن مجھے برابر چکی
مل رہی ہے۔ میری کا بھی مشقت تبدیل ہونی چاہیے کیا میرے۔ یہ چکی ہی کی مشقت رکھ دی گئی
ہے۔ جو آپ اسے تبدیل کرنے میں نہیں آتے" یہ جواب سن کر سپرنٹنڈنٹ نے میرے
ٹکٹ پر سے چکی بابو کی لکھی ہوئی تینوں رپورٹیں سرخ سیاہی سے کاٹ دیں اور اس کے
نیچے دو مہینے سوت کھولنے کا کام لکھ کر مجھ سے کہا کہ اچھا اب تم دو مہینے آرام کرو۔ تھوڑا بہت
سوت کھول دیا کرو" میں خوش خوش اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ بابو کو غصہ تو بہت آیا اب اس کا کیا
لگا۔ تو وہ سخت رنجیدہ ہوا اور اس نے اسی وقت مجھ کو پانچ ۵ سیر سوت کی گولیاں روزانہ
کھولنے کے لئے دیں۔ لیکن میں نے بھی کبھی ۱۵ یا ۲ سے زیادہ نہ کھولیں

باوجودیکہ میں اس قدر عرصہ کوٹھڑی میں رہتے رہتے اور چکی کی مشقت کرتے کرتے
تنگ آ گیا ہوا تھا کیونکہ میں کوٹھڑی میں رکھے جانے اور چکی پیسنے پر مجبور کئے جانے کو قانون
اور انصاف کے سراسر خلاف سمجھتا تھا۔ قواعد جیل کے مطابق کوٹھڑی میں فقط اس قیدی کو
چکی پیسنے کی مشقت دی جاتی ہے جس کے لئے عدالت نے خاص طور پر قید تنہائی کی سزا
لکھ دی ہوئی ہو۔ جو عام طور پر تین ماہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ لیکن یہ چھ ماہ کی سزا بھی جیل میں
باعموم نہیں کاٹی جاتی۔ ایک ہفتہ میں زیادہ سے زیادہ تین اس قیدی کو ایک ہفتہ کے لئے
کوٹھڑی میں رکھا جاتا ہے اور جیل کے قواعد کے مطابق سپرنٹنڈنٹ کسی قیدی کو باری سے
رکھ کر قصور یا اس قصور کی سزا کے بدلے زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کے لئے قید تنہائی کی سزا دے سکتا
ہے۔ ایک یہ ہم پولیٹیکل قیدیوں کو ناحق اور ناجائز طریقہ سے جیل اور ہمیشہ کو کوٹھڑی میں بند رکھتے

اور چکی پیسنے کی مشقت دیتے تھے۔ اس واسطے ہم نے تنگ آکر اس کی بابت دوسرے
پولیٹیکل قیدیوں کے ساتھ مشورہ کیا۔ منٹگمری میں دو بنگالی اور کئی سکھ پولیٹیکل قیدی تھے۔ وہ
سب کے سب کوٹھڑیوں میں بند تھے۔ اور چکی کی مشقت کرتے تھے۔ گوردیال بڑا منچلا
جوان تھا۔ اس کا سپرنٹنڈنٹ سے کئی مرتبہ جھگڑا ہو چکا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ نے اس کی ۷ ماہ
معاف شدہ قید ضبط کر لی ہوئی تھی۔ اس نے کاغذ پنسل وغیرہ حاصل کر کے حکومت وائسرائے
کے نام ایک چٹھی لکھ کر پرائیویٹ طور پر پوسٹ کروا دی۔ اس چٹھی میں اس نے ہم پولیٹیکل قیدیوں
کے ساتھ ہونے والی سختیوں اور بے ضابطگیوں کا کچا چٹھا تحریر کر دیا۔ لیکن اس کا نتیجہ ہمارے
حق میں اچھا ثابت ہونے کی بجائے الٹا مضر نکلا۔ وائسرائے نے جب وہ چٹھی ظالموں
کے سرتاج اوڈوائر کے نام ارسال کر دی۔ اوڈوائر نے جیلخانوں کے انسپکٹر جنرل
کے نام تحقیقات کے لئے بھیج دی۔ اس تحقیقات کا نتیجہ وہی ہوا جو کسی مجرم کو اپنا مقدمہ
آپ فیصل کرنے کا اختیار دینے سے ہو سکتا ہے۔ اس نے ہم سب پولیٹیکل قیدیوں کو
جیل کے مختلف سخت ترین حصوں میں منتشر کر کے ہم پر کڑا پہرہ مقرر کر دیا۔ اور ہمیں ۲۴
گھنٹے کوٹھڑی میں بند رکھے جانے کا حکم جاری کر دیا۔

دسمبر کا مہینہ تھا۔ کڑکڑاتی ہوئی سردی پڑ رہی تھی۔ پورا جیل کی نکمی بوسیدہ
نمدار اور گندی کوٹھڑیاں تھیں۔ تین پھٹے ہوئے بدبودار اور نہایت پتلے کمبل تھے۔ رات
کو سردی سے جان نکلتی تھی۔ دن کو ٹھنڈی کوٹھڑی میں بیٹھے بیٹھے بدن کانپتا تھا۔ دھوپ
کا تو ذکر ہی کیا۔ خود سورج دیوتا کے درشن بھی نصیب نہ ہوتے تھے۔ زندگی موت سے
کہیں زیادہ تکلیف دہ معلوم ہوتی تھی۔ ان حالات میں میں نے پھر اپنے پراچین قومی مہلتوں
یعنی گوروؤں کی ناقابل تسخیر ہمت اور اٹل ہٹ دھرمی کو یاد کیا۔ اور پرماتما پر بھروسہ کرتے
ہوئے اور رکھشا دھرم کا آسرا لیتے ہوئے ۱۷ دسمبر کو کام کرنا تو کیا۔ کام کو ہاتھ تک لگانا
بھی چھوڑ دیا۔ جیل کے پورے حصے کا انچارج ایک جمعدار وزیر تھا۔ اس نے بڑے مسلمان
وارڈر کی ہدایت کے باوجود بھی میرے خلاف کام نہ کرنے کی رپورٹ کرنے سے انکار کیا
آخر مسلمان جیلر نے خود اپنے ہاتھوں سے میرے خلاف رپورٹ لکھی۔ اب مجھ پر ۔۔ ماہ

ساتھ کھانا کھانا بھی بند کر دیا۔ مجھے کام نہ کرنے کے جرم میں پھر بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ اور
مزید سختی کی بھی دھمکیاں دی گئیں۔ لیکن میں نے بیڑیاں پہننے کے بعد بھی ۱۱ روز تک بدستور
نہ کھانا کھایا۔ نہ کام کو ہاتھ لگایا۔ ایک ہفتہ کے فاقہ سے میرا وزن گھٹتے گھٹتے ایک سو پونڈ
رہ گیا۔ یہاں یہ بتلانا بہتر ہوگا کہ گرفتاری سے پیشتر میرا وزن ایک سو بیاسی پونڈ تھا
اس کام اور خوراک کی ہڑتال کے دوران میں قیدیوں، نمبرداروں، سپاہیوں، جمعداروں،
اسسٹنٹ جیلروں، داروغہ اور خود سپرنٹنڈنٹ جیل نے مجھے بارہا سمجھانے کی کوشش
کی۔ لیکن میں برابر اپنی ضد پر قائم رہا۔ اور یہی جواب دیتا رہا۔ کہ جب تک مجھے دو وقت
کل یعنی تلکے پر نہانے کو کوٹھڑی کے باہر ٹہلنے۔ دوپہر کو دھوپ میں بیٹھنے کی اجازت نہ ہوگی
دس سیر والے پیسے کی پابندی نہ اٹھائی جائے گی۔ جیل کی ناقابل تحلیل خوراک ہضم
کرنے کا انتظام نہ کیا جائیگا۔ رات کو کافی اور موٹے کمبل اوڑھنے کو نہ دئے جائیں گے
اور گورنمنٹ کو مجھے کالے پانی بھیجنے کے لئے نہ لکھا جائے گا۔ تب تک میں ہرگز ہرگز
کھانا نہ کھاؤں گا۔" خیر جب بہت دن ہو گئے۔ اور میں بہت نحیف و نزار ہو گیا تب
آخر سپرنٹنڈنٹ اور جیلر کو میرے مطالبات دبے الفاظ میں تسلیم کرنے پڑے۔ انہوں
نے اعلیٰ حکام کو میرے کالے پانی بھیجے جانے کے متعلق چٹھی لکھنے کا وعدہ کیا۔ مجھے دو
وقت تلکے پر اشنان کرنے۔ صبح و شام کوٹھڑی کے باہر ٹہلنے۔ دوپہر کو دھوپ میں بیٹھنے
کی اجازت دی۔ اور جیل کی ردی خوراک ہضم کرنے کے لئے دو وقت ہاضمہ کی دوائی
مہیا کرنے کا اقرار کیا۔ اور دس سیر والے پیسے کی قید اڑا کر حسب منشا ایک یا دو سیر پیسنے
کرنے کی رعایت دی۔ اور تین پتلے کمبلوں کی بجائے چار عدد اچھے کمبل دیدئے۔ اب کیا
تھا۔ میں نے روٹی کی ہڑتال ختم کر کے کھانا کھانا شروع کر دیا۔ کھانا شروع کرنے کے
دس روز بعد تک مجھے کوئی کام نہ دیا گیا۔ گیارھویں دن یعنی ۱۸ جنوری ۱۹۱۸ء کو مجھے
مشقت دی گئی۔ جتنے روز میں پھر ڈنگری جیل میں رہا۔ میں نے دو یا ڈھائی سیر سے
زیادہ دانے نہ رگڑے۔ اور جو رعائتیں مجھے اس فاقہ کی ہڑتال کے طفیل ملی تھیں ان
کا سلسلہ بھی ڈنگری سے روانگی کے دن تک جاری رہا۔ لیکن مجھے ان رعائتوں سے

زیادہ دیر تک مستفیض ہونے کا موقعہ ملا۔ کیونکہ گورنمنٹ کے حکم سے ۲۶ جنوری ۱۹۱۸ء کو میں ہزاری باغ سنٹرل جیل (واقعہ صوبہ بہار واڑیسہ) میں پہنچانے کے لئے لاہور کی جانب روانہ کر دیا گیا۔

۲۶ جنوری ۱۹۱۸ء کا روز تھا۔ میرے پیروں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑی اور کاندھے پر کمبل پڑے تھے۔ منٹگمری سنٹرل جیل کے باہر درجنوں سپاہی تلواریں، بندوقیں اور سنگینیں لیے کھڑے تھے۔ جیل کا پھاٹک کھلا۔ اٹینشن (مستعد ہو جاؤ) کا لفظ کہا گیا۔ میں باہر نکلا۔ سپاہیوں نے بندوقیں اور سنگینیں سنبھال کر جھٹ مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مارچ (چلنے) کا حکم ہوا۔ ہم سب آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگے۔ بندوق اور سنگین سے آراستہ سپاہیوں کے حلقہ میں چلتے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ "نپولین ٹویلری کے محل سے نکل کر اپنی خاص محافظ گارد کے ہمراہ میدان جنگ کی طرف جا رہا ہے"۔ ساتھ ہی میرے دل میں یہ خیال آیا۔ کہ نپولین کی طرح شاید میں بھی کوئی عظیم ہستی ہوں۔ جس کو سٹیشن تک پہنچانے کے لئے اس قدر اہتمام کیا گیا ہے۔ اس خیال سے متاثر ہو کر میں نے سپاہیوں اور ان کے انچارج افسر سے خطاب کر کے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ کہا کہ "میری محافظ گارد کے سپاہیو! شاباش آج تم نے نپولین کی خاص گارد کے نامور سپاہیوں کی مانند پھرتی سے کام لیا ہے۔ تمہارے حلقہ میں اس شان و شوکت کے ساتھ چلتے ہوئے آج فاقہ مست نے ہی اپنے آپ کو نپولین محسوس کیا ہے اور وہ نپولین کی طرح تمہاری پھرتی کی داد دیتا ہے۔ لیکن اس بات پر افسوس کرتا ہے۔ کہ تم اپنے اہل وطن کے احکام کی تعمیل میں نہیں۔ بلکہ ایک اجنبی حکومت کے ماتحت اپنے ایک ہمدرد اور جاں نثار ہموطن کو جلاوطن کرنے کے لئے جا رہے ہو"۔ میرے ان الفاظ پر کئی ایک سپاہیوں کے دل بھر آئے۔ انہوں نے پہلے اپنی دلی ہمدردی اور بے بسی کا اظہار کیا۔ پھر کچھ اشعار سنانے کی درخواست کی۔ میں نے نہایت پریم کے ساتھ انہیں مندرجہ ذیل اشعار گا کر سنائے:

قوم کی خاطر اگر دنیا میں یہ توقیر ہو ہاتھ میں ہو ہتھکڑی پاؤں میں زنجیر ہو

آنکھوں خاطر تیر ہو پھرتی گلے شمشیر ہو قید ہو پھانسی ملے یا موت دامنگیر ہو۔

میری خاطر جاں نثارو وطن نیا تعمیر ہو اس سے بڑھ کر ہی تمہارا کوئی تدبیر ہو

نسطور ہو منظور ہو نسطور ہو نسطور ہو۔

اشعار سے اپنا اثر کیا مزید فرمائش ہوئی میں نے لاہور سنٹرل جیل میں کہی ہوئی تھشر کردیگی برپا یہ تگدستی ایکدن" نامی اپنی نئی غزل سنائی۔ اس غزل کا ایک شعر سپاہیوں کو ایسا پسند آیا۔ کہ وہ تین بار بار اسی شعر کو سنانے کی درخواست کرتے گئے حتیٰ کہ سٹیشن پر پہنچے۔ بڑے انتظار کے بعد گاڑی آئی ہم سوار ہو گئے۔ اس گاڑی میں ملتان سنٹرل جیل سے آئے ہوئے چار پولیٹکل قیدی موجود تھے۔ ان سے ملاقات کرکے دل خوش ہوا۔ لاہور پیارے لاہور کے کئی ماہ بعد پھر درشن نصیب ہوئے پولیس کے سواروں کے حلقہ میں کھڑی ہوئی جیل کی آہنی سلاخوں والی گاڑی میں بیٹھے۔ اور لاہور سنٹرل جیل میں پہنچے۔ کوٹھڑیوں میں بند کئے گئے۔ رات کوٹھڑی میں کٹی

دوسری دوپہر کو پھر جیل کا پھاٹک کھلا ہم پولیٹکل قیدیوں کو ہتھکڑیاں لگا کر اور بیڑیاں میں پہلے نہایت موٹی آہنی زنجیر ڈال کر مویشیوں کی طرح وہ جیل گاڑیوں میں بند کر کے تالے لگا دئیے گئے۔ گاڑیوں کے اوپر اور آگے پیچھے سپاہی سنگینیں سنبھال کر بیٹھ گئے اور ارد گرد پولیس کے سوار اپنے گھوڑوں پر ڈٹ گئے۔ انچارج افسر کا "تارہ پا کر گھوڑ سواروں کے گھوڑے چلا ئے۔ ہماری گاڑی کے گھوڑوں نے بھی قدم اٹھائے ہم نے بندے ماترم اور ست سری اکال کے نعرے لگائے۔ سامنے سے برات کے باجوں کی نہایت دلکش آواز آئی۔ میں نے کہا" دوستو اشگون نہایت اچھا ہوا ہے برات ملے چاہا۔ تو ہم پولیٹکل دولہوں کی برات بہت جلد آزادی دیوی کی ڈولی لیکر واپس آئیگی" میری یہ بات سنکر بھائی متا اور سردار کرتار سنگھ وغیرہ پولیٹکل قیدی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے پھر ہم میتے کلیکلا سٹیشن پہنچے آہنی سلاخوں والی سنٹرل گاڑی میں بٹھلا کر ہمیں موٹی موٹی زنجیروں سے خوب جکڑ بند کیا گیا آگے پیچھے پولیس بندوقیں سنبھال کر بیٹھ گئی۔ گارڈ نے سیٹی بجائی۔ لاہور ڈسٹرکٹ کے سی آئی ڈی کے انسپکٹر مسٹر گرتے مسٹر جیل کے جیلر میر ڈاکٹ بیگ وغیرہ نے پھول الوداع کہی گاڑی روانہ ہوئی۔ پھر ہم نے بندے ماترم" اور ست سری اکال" کے نعرے بلند ہوئے۔ پیارا لاہور شہر پر وقار پیارا احباب سے پُر لاہور میرے بچپن کا گہوارہ لاہور میری

آنکھوں سے دور ہو رہا تھا۔ میں نہایت بیتابی کے ساتھ دل تھام کر اس حسرت بھری نظر سے
اسے دیکھ رہا تھا۔ جس سے شاید سینٹ ہیلینا کی طرف جاتے ہوئے پولین نے فرانس کو بھی
نہ دیکھا ہوگا۔ آہ! دیکھتے دیکھتے میرا لاہور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ ۲۷ جنوری
کی رات شبِ فرقت یا شبِ غم کی طرح تھی۔ لاہور سے چلتے وقت ماں باپ بہن وغیرہ
کسی سے ملاقات کی اجازت نہ دی گئی۔ ۲۸ جنوری کی صبح دہلی کے سٹیشن پر آئی۔ میری
دخترم عتیق اور ایک سالہ ننھی بچی اپنے والد اور بھائی کے پاس دہلی تھی۔ میرے دل میں
اپنی اکلوتی ننھی بچی کے دیکھنے کا خیال موجیں مارنے لگا۔ میں نے پرائیویٹ طور پر ایک آدمی
کے ہاتھ اپنے سالے کو سندیسہ بھیجا۔ کہ وہ میری لڑکی کو لے کر اسٹیشن پر آئے۔ میں دور
سے اس کا دیدار کر لوں گا۔ لیکن اس آدمی کو میرا سالا مکان و دفتر کہیں بھی نہ ملا۔ اس طرح یہ
آخری خواہش بھی پوری نہ ہوئی۔ ع دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی

گاڑی بڑی تیزی کے ساتھ اپنی منزلیں طے کر رہی تھی۔ ہمیں بیڑیوں ہتھکڑیوں
اور تالوں کے سبب راستے میں بڑی تکلیف رہی۔ ہمارے لئے وہاں لیٹنا اٹھنا بیٹھنا اور
پیشاب کرنا سخت مشکل و دشوار تھا۔ ہمارے کھانے کے لئے کفایت شعار ظالم جیل افسروں
نے لاہور سے ہماری گاڑی میں بھنے ہوئے چنے باسی نان اور ریل کے پکوڑے رکھ دئے تھے
تین چار روز کا راستہ تھا۔ ہم باسی نان چنے اور پکوڑے کھاتے کھاتے تنگ آ گئے۔ ہم نے
اسے پولیس انچارج افسر کو بلا کر اس ناقص اور سخت باسی خوراک کے خلاف اظہار
ناراضگی کیا۔ لیکن اس نے کہا کہ میں تمہاری خوراک کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ تمہاری خوراک کا ذمہ دار
جیل کا جمعدار ہے۔ جو کچھ وہ تمہیں کھانے کو دیتا ہے کھاؤ۔ ہم نے اس کے ساتھ بہت
سخت مباحثہ کیا۔ لیکن اس نے مجبوری کا اظہار کیا۔ آخر تنگ آ کر ہم نے فاقہ کشی کی اور
باسی نان پکوڑے وغیرہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس فاقہ کشی کے بعد ہمیں متھرا کے
کے خشکن پر دن کے وقت نہایت ردی کھانا کھلایا گیا لیکن رات کو کچھ کھانا ت
سے کا ... کر ہمیں بھوکا رکھا گیا۔ دو دن کے بعد ... کے سٹیشن پر شور و پکار کرنے
کے سبب ہمیں میٹھی پوریاں کھلائی گئیں۔ الغرض جیل والوں کی جان کو روتے

جھگڑے جھگڑاتے تکلیفیں سہتے پولیس والوں کو کھری کھری سناتے اور قومی گیت گاتے ہوئے
آخر ہم ہزاری باغ روڈ نامی سٹیشن پہنچے۔ ہزاری باغ کا انگریز کپتان پولیس۔ اس کا بنگالی
ہیڈ کلرک ایک جیل افسر اور ملٹری پولیس کے درجنوں سپاہی اسٹیشن پر ہمارے استقبال کے
لئے کھڑے تھے۔ ہم گاڑی سے اُترے۔ پنجاب کے انچارج افسر نے اپنا چارج ہزاری باغ کے
کپتان پولیس کے سپرد کیا۔ پنجاب کی بھاری ہتھکڑیاں اتار لی گئیں۔ بہار کی ملٹری پولیس کے
ہندوستانی سپاہیوں نے نہایت تہذیب و شائستگی کے ساتھ ہمارے ایک ایک ہاتھ میں بہار کی ہلکی
ہتھکڑی پہنائی۔ پنجاب کی پولیس رخصت ہوئی۔ ہمارے ہاتھ منہ دھلائے گئے۔ ہمیں سایہ کی جگہ
میں بٹھلا کر ہمارے سامنے پتلیں لگا کر پوریاں اور جلیبیاں کھانے کو پروس دی گئیں۔ پنجاب کی طرح عذاب
پہنچانے کے لئے کنجوسی سے کام نہیں لیا گیا۔ ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ ہم میں سے ایک
بیمار تھا۔ اس کے لئے پہلے ہی سے نہایت عمدہ دودھ اور کہاں لاکر رکھی ہوئی تھی۔ کھانا ختم ہوا۔ ہاتھ
دھلے۔ دو لمبی چوڑی موٹر کاریں سامنے کھڑی ہوئی تھیں ہمیں اُن پر سوار کرایا گیا۔ ہمارے ساتھ
کپتان پولیس اس کا بنگالی ہیڈ کلرک اور سپاہی بیٹھے موٹر گاڑیاں چلنے لگیں نیا کسان
کشاں ہزاری باغ سنٹرل جیل کی طرف (جو سٹیشن سے ۴۵ میل پر واقع تھا) لیجانے لگیں
راستہ میں جگہ بجگہ دیہاتی چوکیداروں کا پہرہ تھا جہاں کہیں ہمیں پیاس لگی۔ پانی مہیا کر دیا گیا۔

شام کے وقت ہم ہزاری باغ سنٹرل جیل کے سامنے پہنچے۔ گاڑیاں ٹھہر گئیں پھاٹک
کھلا ہم اندر داخل ہوئے۔ جیلر اور سپرنٹنڈنٹ نے ایک ایک کر کے ہمارے نام پکارے۔ وارنٹ
ملاحظہ کئے کپڑے جامہ تلاشی وغیرہ کر کے جیل کے اندرونی پھاٹک کھولنے کا حکم دیا۔ پھاٹک
کھلنے پر جیلر اور بڑے جمعدار نے ہمیں اپنے ہمراہ لے جا کر ہمارے کپڑے بدلوا کر ہمیں کوٹھڑیوں میں
بند کر دیا ہماری کوٹھڑی میں چار چار ہاتھ موٹے اور ٹاٹ کمبل ایک لوہے کی چھوٹی سی تھالی اور
ایک آہنی کٹورہ رکھا ہوا تھا۔ باہر جنگلے کے پاس پیشاب کا پانی کی ایک گھڑا اور ایک ٹین ہاتھ
منہ دھونے اور استنجا کرنے کے لئے دھرا تھا۔ شام کا کھانا آیا۔ دو چار لقمے زہر مار کئے۔
ایک کمبل نیچے بچھایا ایک سرہانے رکھا۔ دو اوپر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ چار پانچ دن کے مسلسل سفر
کے تھکے ماندے تھے فوراً آنکھیں لگ گئیں۔ دین و دنیا کو بھلا دینے والی نیند نے اس شام غربت

کی مدت و سست کی رنجیدہ و غیرت سے چھپا۔

دوسرے دن اٹھتے ہی ہمیں دانت صاف کرنے کو داتن اور استنجا کرنے کو پانی دیا گیا۔ ناشتے کے لیے بسکٹ کھانے کے لیے کھچڑی دی گئی۔ جیلر نے میرے ساتھ کمال ہمدردی کا اظہار کیا اور جہاں میرے دوسرے ساتھیوں کو چکی پیسنے کو دی۔ وہاں مجھے تھوڑی سی دال چننے کے واسطے بھیجی لیکن میرے دل میں اس بات سے بہت رنج و غصہ پیدا ہوا۔ کہ جیل کے افسروں نے کیوں ہمیں آتے ہی مشقت دیدی ہے ہم ۲۶ جنوری سے ۳۰ جنوری تک برابر شب و روز سفر کرتے اور بدحالی کا شکار ہوتے ہوئے ہزاری باغ پہنچے تھے۔ ہمارے بدن ٹوٹ رہے تھے خود درد کر رہا تھا لیکن سپرنٹنڈنٹ اور جیلر کسی نے بھی اس بات کا مطلق خیال نہ کیا۔ دوپہر کے وقت سپرنٹنڈنٹ آیا میری کوٹھری کے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگا۔ کہ دیکھو عبدالمجید تم ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہو۔ اونچ نیچ سمجھ سکتے ہو۔ مجھے تمہارے ساتھ کوئی رنجش یا عناد نہیں ہے میں اس بات کا بالکل خیال نہ کروں گا۔ کہ تم گورنمنٹ کے خلاف کوئی کارروائی کر کے آئے ہو۔ یا انگریزوں کے دشمن ہو تم اپنے ساتھیوں کو میری طرف سے سمجھا دو۔ کہ وہ یہاں امن و امان کے ساتھ رہیں۔ کھانا کھائیں۔ تھوڑا بہت کام کریں۔ اور آرام سے لیٹیں۔ شور و شر سے کام نہ لیں۔ میں انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔ میں نے نہایت تمسخرانہ لہجہ میں جواب دیا کہ بہت اچھا صاحب! جیل سے باہر دنیا میں امن و امان سے رہنے اور شور و شر سے بچنے کی نصیحت پر عمل کرنے کے صلے میں تو مجھے گورنمنٹ نے عمر قید کا انعام دیا ہے۔ دیکھیں اس تلخ تجربہ کے بعد جیل میں آپ کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے کا کیا معاوضہ ملتا ہے؟ سپرنٹنڈنٹ جو بڑا خوش طبع اور خوش خلق آدمی معلوم ہوتا تھا میرے اس جواب پر کھل کھلا کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تم سچ کہتے ہو گے لیکن جیل میں تمہیں ایسا خوفناک اور اتنا انعام نہیں دیا جائے گا۔" میں نے جواب میں کہا کہ اس کی تصدیق یا تردید آئندہ ایام کریں گے۔

میں نے اپنے ساتھیوں کو سمجھا دیا۔ وہ میری ہدایت کے مطابق جیل میں امن و امان کے ساتھ ایام میں زندگی بسر کرنے لگے۔ جیلر اور سپرنٹنڈنٹ نے ہماری بیڑیاں اتروا دیں ہمیں کوٹھری کے باہر صحن میں بیٹھ کر کام کرنے ٹہلنے اور ہوا کھانے کی اجازت دیدی۔ ہمیں بستر بچھانے کے لیے

جیل کے نئے ہوئے کپڑے کا ایک ایک رومال لے لیا ہم سے پہلے مدیہ پارٹی کے پولیٹکل قیدیوں نے لڑ جھگڑ کر فاقے رکھ رکھ کر یہ کام سے ایک بار حلوہ اور ایک بار گوشت دینے کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا چنانچہ ہمیں بھی بدھ کے روز حلوہ اور اتوار کے دن گوشت ملنے لگا ہر آٹھویں دن سر نہانے اور صابن ملنے کو تھوڑا سا سرسوں کا تیل دیا جانے لگا۔ چکی پیسنے اور دال چھننے کی مشقت ہٹا کر سلائی کا کام کرنے کو دیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد صوبہ بہار و اڑیسہ کے جیل خانہ جات کا انسپکٹر جنرل اور انہوں نے بھی دورہ کرتا ہوا ہزاری باغ میں آیا وہ میرے گیارہ ساتھیوں سے عموماً اور میرے ساتھ خصوصاً نہایت اخلاق کے ساتھ پیش آیا سپرنٹنڈنٹ نے میری اور میرے ساتھیوں کی خاص طور پر تعریف اور سفارش کی جس کے جواب میں وہ ہم سب کو دن کے وقت احاطے میں جا کر کام کرنے کی اجازت دے گیا۔ ہم دن بھر احاطے میں جا کر سلائی کا کام کرتے اور رات کو اپنی کوٹھڑیوں میں آرام کرنے لگے۔ آزاد اور کھلی ہوا میں چلنے پھرنے سے صحت بحال ہونے لگی۔ چوبیس گھنٹے کوٹھڑی کی رہائش اور چکی کی کڑی مشقت سے تنگ آئے ہوئے نحیف و نزار جسموں میں دوبارہ جان آنے لگی۔ الغرض مصائب و تکالیف کی تاریک رات میں راحت و آرام کا جگنو چمکا۔ لیکن جس طرح کرمک شب تاب (جگنو) کی چمک عارضی اور جلد فنا ہو جانے والی ہوتی ہے۔ اسی طرح مصیبت میں نصیب ہونے والی مذکورہ بالا آسائش بھی عارضی اور جلد فنا ہو جانے والی ثابت ہوئی

۸ مارچ کی تاریک شب تھی۔ آدھی رات کا سماں تھا۔ ہم آرام کی نیند سو رہے تھے۔ جیل کی گھنٹی یکدم غل مچانے لگی۔ ڈھول پیٹے جانے لگے۔ سنتریوں میں ہل چل پڑ گئی۔ جمعداروں کے حواس باختہ ہو گئے۔ گھبرا کر اپنے بستروں سے اٹھ بیٹھے۔ جیل کے اندر لاتعداد مشعلیں روشن ہو گئیں۔ "دوڑنا پکڑنا، نکلنے نہ پائیں۔ سپاہی بھاگ گئے۔ تالے توڑ دیئے۔ کوٹھڑیاں خالی کر گئے۔ کمبل اندر چھوڑ گئے۔ مجھے جیسے جی مار گئے!" وغیرہ الفاظ بار بار سنائی دینے لگے۔ ہماری آنکھ بھی کھل گئی ہم حیران ہو کر اٹھ بیٹھے اور بتیاں ہو ہو کر سوچنے لگے کہ یا رب تو کیا معاملہ ہے۔ کیسا شور و شر ہے۔ کس قسم کا فتنہ و بلا ہے؟ کیا واقعی سیاسی قیدی بھاگ گئے اور جیل کے در و دیوار کو توڑ کر نکل گئے۔ آزاد ہوا میں آزادانہ سانس لینے کے لئے دنیا میں جا پہنچے؟ لیکن رات بھر ان سوالات کا

کالے پانی کی کہانی

(بھائی پرمانند جی کے قلم سے)

میری خانہ تلاشی ہوئے چار دن بیت چکے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ میں اپنے ایک بہت پیارے دوست کے ساتھ قلعہ کے قریب کھلے میدان میں سیر کر رہا تھا۔ میرا دوست کانپتی ہوئی آواز میں مجھے کہنے لگا "مجھے سخت رنج ہے۔ یہ عام افواہ تین چار دن سے اڑ رہی ہے کہ آپ گرفتار کر لیے جائیں گے" میں نے ہنس کر کہا کہ "پکڑ لیں۔ اس میں رنج ہی کیا ہے۔ پکڑ لیں گے تو کیا کریں گے۔ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے"۔

اس سے اگلے دن دس بجے کا وقت ہوگا۔ میں کھانا کھانے بیٹھا تھا۔ [illegible] میری طرف دیکھ کر کہا کہ "آج آپ کا چہرہ اداس معلوم ہوتا ہے۔ کیا بات ہے۔ آپ تو ہنستے رہتے ہیں"۔ میں نے کہا کہ "بس یہ تمہارے ہاتھ کا آخری کھانا معلوم ہوتا ہے"۔ وہ کہنے لگی "کیوں؟ کیا ہوا؟" میں نے جواب دیا "بس ہو گیا جو ہونا تھا"۔ وہ حیران سی ہو گئی۔ مجھے بھی کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ کھانا ختم کر کے میں نیچے آیا۔ کمرہ میں بیٹھا۔ اتنے میں دو بڑے سردار پولیس افسر آئے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ "آپ ہمارے ساتھ چلیں اور جو کچھ گھر میں کہنا ہو کہہ دیجئے"۔ میں اوپر گیا۔ کہہ دیا اور ان کے ساتھ تانگہ میں بیٹھ گیا۔ تانگہ بہت جلد ہی ریل کی سڑک پر جا رہا تھا۔ ہم لوکل تھانہ کے اندر داخل ہوئے۔ مجھے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ باہر ایک جگہ دو پہرہ دار سنگینیں اٹھائے کھڑے تھے۔ کوٹھڑی میں ایک چٹائی پڑی تھی۔ کہیں سے روشنی اور ہوا داخل ہونے کی جگہ نہ تھی۔ دروازہ کو بہت مضبوط تالا لگا تھا۔ اس کے ایک کونہ میں ایک ٹوٹی ہوئی [illegible] رکھی تھی جس میں مجھے حاجت رفع کرنے کی اجازت دی گئی۔ شام کے وقت دو روٹیاں اور تھوڑی سی دال مجھے کھانے کو دی گئی۔ میں کھا کر لیٹ گیا اور رات گزر گئی۔ صبح ہوا، دن چڑھا۔ سورج نصف النہار پر پہنچ گیا لیکن کوٹھڑی کا اندھیرا ہی رہا۔ ہفتہ کے بعد پولیس کا ایک انگریز افسر آ کر مجھ سے مخاطب ہوا اور پوچھا "اچھے ہو؟" میں نے جواب دیا کہ "ہاں اچھا ہوں"۔

وہ چلا گیا۔ اسی طرح چٹائی پر لیٹے کبھی بیٹھے اور مہرہ کی دوکان کی روٹیاں کھاتے وقت گذرتا
گیا۔ ایک ہفتہ پوری گھبراہٹ میں رکھنے کے بعد زندگی مٹا دینے کا ڈر اور جان بچا دینے کا
لالچ دیا گیا۔ صبح کے وقت کوٹھڑی کا "تالا" کھولا گیا دو سپاہی مجھے ہتھکڑی ڈال کر تھانہ کے
دفتر میں لے گئے۔ وہاں ایک مسلمان پولیس افسر تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے سپاہیوں کو ڈانٹنا
شروع کی "ہتھکڑی کیوں ڈالی ہے فوراً نکال دو"۔ میں اندر داخل ہوا۔ انہوں نے مجھے
کرسی پر بیٹھنے کے لئے مجبور کیا میں بیٹھ گیا۔ تو وہ مخاطب ہوئے کہ آپ سے دو چار باتیں دریافت
کرنی ہیں امید ہے آپ "بتا دیں گے" میں نے پوچھا کس حیثیت سے اگر میں آزادی کی حالت میں
ہوں۔ تو جواب دیانت کے ساتھ میں درست جواب دیتا جاؤں گا۔ اور اگر میں ملزم ہوں۔ تو
میرے برخلاف الزام لگائیں میں عدالت میں بیان دیدوں گا" اس پر انہوں نے کاغذ قلم رکھ
دیا اور کہا کہ اچھا نہا دھو لیجیے وہ "جیل لے جانا ہوگا" نہانے کے بعد کپڑے اتار کر میں نے ان کو پانی میں
نکال لیا اور پھر یہی پانی ڈال لیا اسے پھر بدبو گاری اور گارد آگئی۔ اس میں مجھے بٹھا دیا گیا
ساری جگہ پانی اور گیلی تھی موٹر جیل کے دروازہ پر پہنچی۔ اس سے پہلے جیل کی بات نا بہت تھا
گا جیل [illegible] کہ جیل کا پھاٹک دیکھ کر حیرانی سی ہوئی۔ ڈسٹرکٹ جیل کے اندر داخل ہوئے
سپاہیوں کے اندر ایک کمرہ میں لے جا کر جیل کے کسی اسسٹنٹ وارڈن نے کپڑے لوٹ جرابیں وغیرہ
اتروا کر اچھی طرح "تلاشی" لی۔ اور پھر اندر لے جا کر ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ اس کوٹھڑی میں
ردی کمبل پڑے تھے ایک کونے میں ٹٹی کے لئے ایک گڑھا کیا ہوا تھا۔ ایک جگہ مٹی کے دو پیالے
پڑے تھے جس میں ہمیں کھانا دیا جاتا تھا۔ جیل کا ایک سپاہی کوٹھڑی کے سامنے گھومتا
تھا۔ شام کو دو قیدی سپاہی کے ساتھ کھانا لائے۔ ایک پیالہ میں پانی اور دوسرے میں
دال ڈال دی اور روٹی ہاتھ میں دے کر اگلی کوٹھڑی کو روانہ ہوئے۔ روٹی جو کی بنی ہوئی تھی اس
میں [illegible] ریت [illegible] دال سڑی ہوئی اور معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ کس اناج کی ہے۔ ایک ہی
لقمہ روٹی کا منہ میں ڈالا۔ دوسرا ڈالنا مشکل ہو گیا۔ پانی سے منہ صاف کر لیا۔ اور بیٹھ رہا۔ اندھیرا
ہو گیا [illegible] رات گذارنے کا فکر تھا۔ ردی کمبل بچھا کر لیٹ رہا کہ تمام بدن کھجلاتا
حرکت [illegible] دیوار [illegible] [illegible]

علاج کیا ہو سکتا تھا کمبل اٹھا کر پرے پھینک دئے اور کھڑکی کے اوپر لیٹ رہا۔ پھر بھی جتنی
کافی چڑھ چکی تھیں۔ پہلی رات جیل کا وہ تجربہ ہوا۔ گر اس کے بعد بھی بے آرامی رہی اس
کے سامنے ہیچ نظر آتی ہے۔ ڈسٹرکٹ جیل میں ہم کوئی دو تین ہفتہ رہے۔ وہی کمبل اور وہی کمبل
دن رات گزرتے گئے ایک دن پولیس کی گارد ہتھکڑیاں لئے سامنے آ کھڑی ہوئی ہمیں
کوٹھڑیوں سے نکال کر ہتھکڑیاں ڈال کر پھاٹک سے باہر کیا گیا۔ اور پولیس والوں کو ہمارا
چارج دیا۔ ہمارے آگے پیچھے دائیں بائیں پولیس سنگینیں لئے چلتی تھی ہم سنٹرل جیل میں
پہنچے۔ بڑے بڑے لوہے کے سلاخدار پھاٹک کھل گئے۔ اندر لے جا کر ہم کو الگ الگ کوٹھڑیوں
میں بند کیا گیا۔ لو کیا تھانہ۔ ڈسٹرکٹ جیل اور سنٹرل جیل میں کافی عرصہ گزر گیا لیکن مجھے
اب تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کس قصور کے بدلے میری گرفتاری عمل میں لائی گئی ہے۔ آخر
میں مجھے لالہ رگھوناتھ سہائے بطور وکیل ملاقات کرنے آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے
لئے ایک نیا قانون بنایا جا رہا تھا۔ جس کا نام انڈیا ڈیفنس ایکٹ تھا۔ اس قانون کے مطابق
ہم لوگوں پر جیل میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ تین کمشنروں کا ایک خاص کمیشن بطور عدالت مقرر
ہوگا۔ جس کے فیصلہ کے بعد کوئی اپیل نہ ہو سکے گی۔ کچھ دن گزر گئے ہم کو ہتھکڑیاں لگا کر
کوٹھڑی سے باہر نکالا ایک گھاس والی جگہ پر سب ڈالے گئے اور بٹھا دیا گیا۔ اتنے میں
پھاٹک کھلا پولیس کپتان اور دوسرے دیسی افسر اندر داخل ہوئے اور ہماری طرف
آئے ان کے ساتھ ایک آدمی تھا جو امریکہ سے واپس آئے ہمارے ہمراہ رہ چکا تھا۔
وہ مسکرائے اور ہمارے ستم کے چہرہ پر چھائے ہوئے تھا ہم سب کو کھڑا ہونے کا حکم
ہو گیا ہمیں معلوم ہوا کہ وہ شخص بطور سرکاری گواہ کے ہم لوگوں کی شناخت کرنے کیلئے
لایا گیا ہے۔ وہ ہر ایک کے سامنے کھڑا ہو کر تا تھا کہ گویا وہ اسے پہچانتا تھا کہ یہاں کسی
کسی کو اس نے پہچانا اور بتایا کہ وہ فلاں موقع پر اس کے ساتھ تھا۔ ہماری حالت ہر
دوسرے تیسرے دن ہونے لگی۔ اور ہمیں معلوم ہوا کہ وعدہ معافوں کی تعداد دو درجن سے
اوپر چلی گئی تھی۔ امر سنگھ وعدہ معاف نے مجھے پہچان لیا اور بتلایا کہ اس نے مجھ سے نوٹ
بانٹتے دیکھا تھا۔ اور جگت رام کا مقدمہ دریافت کیا تھا۔ ۱۴ نمبر کے ساتھ کالا امرتسر

کر عدالت بنائی گئی۔ کمشنروں کے لئے چبوترہ اور ہمارے لئے کٹہرا تیار کیا گیا۔ تاریخ آنے پر ہمیں ہتھکڑیاں ڈال کر عدالت کے جنگلے اندر داخل کر دیا گیا۔ پولیس دروازوں پر ہمارے چاروں طرف کھڑی ہو گئی۔ عدالت میں سرکاری و غیر سرکاری وکلا کی خاص تعداد تھی جو چونسٹھ کے قریب ملزموں کے نام فہرست میں تھے اتنے میں تین کمشنر آ گئے دو انگریز تھے تیسرے لاہور کے وکیل پنڈت شیو نرائن تھے سرکاری وکیل نے دو تین دن تقریر کی اور مقدمہ کے سب حالات گورنمنٹ کی طرف سے بیان کئے۔ اس کے بعد بڑے شوق سے وعدہ معافوں کے لیے چوڑے تفصیل دار بیانات دلائے گئے۔ ایک ماہ کے اندر چار پانچ سو کے درمیان گواہ سرکار کی طرف سے ہمارے خلاف گذارے گئے۔ مہینہ کے بعد پندرہ دن کے لئے عدالت رخصت پر گئی۔ اور چار پانچ کو چھوڑ کر باقی سب پر فرد جرم لگائے گئے۔ واپسی پر ہماری طرف کے گواہ لئے گئے۔ انصاف کی کوئی امید نہ تھی۔ ماہ ستمبر کی ۱۳ تاریخ فیصلہ کے لئے مقرر تھی۔ تین چار کو چھوڑ کر باقی سب کو کالے پانی یا پھانسی کا حکم سنایا گیا ۲۴ آدمی پھانسی کا حکم سن کر پھانسی کی کوٹھڑیوں میں داخل ہوئے جن میں ایک میں بھی تھا۔ ہمیں پھانسی والوں کی خاص وردی پہنا دی گئی۔ میں نے اپنی استری کو کارڈ لکھا کہ مجھے آکر مل جاؤ۔ میری استری اور لڑکیاں ملنے آئیں میری طبیعت دیکھ کر خوش ہوئی۔ میری استری نے تار دیکر لالہ رگھوناتھ سہائے پلیڈر کو بلایا اور ان کو شملہ روانہ کیا۔ تاکہ ذاتی طور پر کونسل کے ممبروں سے مل کر اپیل کریں۔ لالہ رگھوناتھ سہائے جی پنڈت مالوی جی سے ملے۔ اور سارے کیس کا ذکر کیا کونسل کے دوسرے ممبر بھی اس مقدمہ کے فیصلہ پر حیران تھے۔ قانونی ممبر سر سید علی امام نے بھی اسے پسند نہ کیا اور اس پر غیر معمولی دیر تک بحث ہوتا رہا۔ دو ماہ کے بعد ۲۴ میں سے ۱۷ آدمیوں کی پھانسی کی سزا عمر بھر کالے پانی میں تبدیل کر دی گئی۔ یہ شاید ۱۵ نومبر کا دن تھا ہم سترہ آدمیوں کو نکال کر دوسرے احاطہ میں لے گئے ہم میں سے سات وہیں رہ گئے جنہیں کرتار سنگھ۔ پنگلے۔ جگت سنگھ۔ اور ہرنام سنگھ بھی تھے دوسرے دن صبح کو ان کو دودھ بانٹ کر پھانسی گھر میں لے گئے۔ پنگلے اور [illegible] نے مرتے وقت پرارتھنا کی کہ ہے پرماتما ہمارے وطن کو [illegible] جس پوتر کارج کے لئے ہم جان دیتے ہیں اس کی تم رکشا کرو۔ یہی ہماری آخری خواہش ہے۔ چھ سات دن اور گذرے ہمارا ڈریس

تھے۔ تیر سے مار دیتے تھے۔ ان کو تیر چلانے کی از حد مشق ہے۔ ان کے تیر کا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا۔ بچے۔ عورتیں بھی تیر چلانا جانتے ہیں۔ بھالے سے مچھلی کو پکڑ لیتے ہیں۔ تیر سے سؤر وغیرہ کو مار کر کھاتے رہتے ہیں۔ سمندر میں آنکھیں کھول کر تیر سکتے ہیں۔ کوئی چیز سمندر میں پھینکو وہ پانی تک جاتے جاتے نکال لیتے ہیں۔ یہ لوگ دیسی بستیوں کے نزدیک شاذ و نادر ہی آتے ہیں

ان کے علاوہ پورٹ بلیر میں آزاد لوگ پائے جاتے ہیں جو کہ قیدیوں کی اولاد ہیں اٹھارہویں صدی کے آخر میں یہ جزیرہ دریافت ہوا یہاں کی آب و ہوا ایسی خراب تھی کہ آدمی کا زندہ رہنا قریباً ناممکن تھا۔

یہ جزیرے خطِ استواء پر واقع ہونے سے نہایت گرم ہیں۔ چونکہ سمندر کے اندر واقع ہیں۔ اور سات آٹھ ماہ تک متواتر بارش رہنے سے قابلِ رہائش ہیں۔ ہر سال جنگل کے درخت کٹوانے سے بارش برابر کم ہوتی جاتی ہے۔ گرم آب و ہوا کی بیماریاں تپ دق۔ نمونیا۔ ملیریا اور دوسرے بخار بکثرت ہیں

پہلے پہل کچھ قیدی وہاں بھجوائے گئے۔ سب کے سب مر گئے۔ لیکن غدر کے بعد بہت سے قیدی پھر وہاں رکھے گئے۔ کچھ مر گئے کچھ بچ رہے۔ اس وقت بھی اموات کی تعداد ۳۵ فی ہزار ہر سال ہے۔ ملک کے جیلوں میں صرف ۱۸ فی ہزار۔ گو بڑے مضبوط اور چالیس سال سے کم عمر کے قیدی چھانٹ کر وہاں بھیجے جاتے ہیں

جنگل کاٹ کر آبادی بنائی گئی۔ اس وقت سے اسے قیدیوں کی بستی بنا دیا گیا۔ قیدی لوگوں کو پہلے کچھ ماہوار دے کر کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ تھوڑے عرصہ بعد وہ شادی بھی کر لیتے تھے۔ ان لوگوں کی اولاد آٹھ دس ہزار کی آبادی میں وہاں پائی جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ ان سے سرکاری کام لینا شروع کیا گیا۔ اور پھر وہاں پر ان کو جرم کرنے پر سزا دینے کے لئے جیل بنایا گیا۔ کوئی پچیس سال سے ایک خاص جیل تعمیر کیا گیا جسے سیلولر جیل کہا جاتا ہے۔ یہ تین منزلہ پختہ مکان ہے۔ بیچ میں گولائی ہے۔ گولائی کے گرد سات احاطے ہیں ان میں ہر ایک میں تنہا کوٹھڑیوں کی لائن ہیں۔ جن میں ہر ایک لائن میں چالیس پچاس کے قریب قریب سیل ہیں

ہل چل اور مخبری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس جیل میں بھی اچھے انسان بالکل کم نہ تھے۔ ایسے ایک دو بھلے آدمی بھی تھے جنہوں نے ہمیں وہاں کے حالات سے آگاہ کر دینا ضروری خیال کیا۔ بھائی جی پرمانند صاحب کا لیکچر سننے کے لئے ہم نے جیل میں قدم رکھا۔ کہ ایک دو قیدیوں نے جو وہاں منشی کا کام کرتے تھے۔ دریافت کیا کہ بھائی پرمانند کون ہے۔

باری صاحب کا ایک پٹھان جمعدار جو کہ جیل کے قیدیوں پر قیدی افسروں میں بڑا افسر تھا۔ جسے بیدرہ روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ ہم کو لے گیا۔ اور گودام میں سے جا کر دو دو تین تین کو مختلف احاطوں میں بانٹ دیا دوپہر کا وقت ہو گیا۔ سب قیدی تقریباً اپنا اپنا کام ختم کر چکے تھے۔ بہتیروں کے ہاتھ میں چھوٹے چھوٹے موسج کے خوبصورت بنڈل بندھے ہوئے تھے۔ جو کہ انہوں نے ناریل کے پھل کے اوپر کے چھلکے کو کوٹ کوٹ کر نکالی تھی۔ کئی جو کہ بہت کمزور اور دبلے تھے۔ ہاتھ میں رسی کا بنڈل پکڑے ہوئے تھے۔ جو کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے بٹی تھی۔ کچھ اور تھے۔ جنہوں نے تیل کی بالٹیاں بھر کر لے جانے کے لئے تیار رکھی تھیں۔ ان لوگوں نے کولہو چلا کر تیل نکالا تھا

ہر ایک احاطہ میں ایک قیدی قیدیوں کا افسر کالے سیاہ کپڑے اور لال کالا کرتہ پہنے ہوئے کھڑا تھا۔ وہ اس احاطہ کا چوہدری تھا۔ اُسے "ٹنڈیل" کہتے تھے۔ اس کی مدد میں دو اور قیدی کالی وردی پہنے قیدیوں پر حکومت کرتے اور سب کو دھمکاتے تھے۔ جیسے ادھر آؤ۔ یہاں لائن میں بیٹھو۔ اپنی مشقت دکھاؤ۔ کہیں گیلا چھلکا تو نہیں باندھ لیا ہے؟ اس بنڈل کو کھول دو۔ ادھر دھوپ میں رکھو۔ پھیلا دو۔ ہیرا پھیری کیا کرتے ہو؟ ایک کو جا کر دو دھکے لگا دے۔ وہ آگے سے کچھ بولا۔ ان کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا۔ جھٹ ڈنڈے پہ ٹھک چلا جاتا تھا۔ گالیوں کا تو کوئی حساب نہیں۔ ہمیں سے داخل ہوئے تھے۔ ٹنڈیل ہمارے سامنے خاص طور پر اکڑ اکڑ کر چلتا تھا۔ اور ہم پر اپنا رعب جمانے کے لئے خواہ مخواہ دوسروں کو دھمکا دیتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم آتے ہی دیکھ لیں۔ کہ کس طرح باقی کے قیدی اس کے ماتحت بھیڑوں کی طرح اس کا حکم مانتے ہیں۔ اور گو اس کی ظاہر کا الٹا ڈراونی سی

شکل بڑی کردہ تھی۔ مگر حقیقت میں جیل کے اندر اور ایک ماہ کے لئے اس احاطہ کے اندر وہ
جیل کا جمعدار صاحب کے پیچھے بڑا حکمران تھا۔ ایک ایک ماہ کے بعد ان ٹنڈیلوں کی
دوسرے احاطہ یا نمبروں میں بدلی ہو جاتی تھی۔

ہمارے اندر داخل ہوتے ہی اس نے سب قیدیوں کو حکم سنایا "دیکھو سب
سن لو۔ یہ نئے کمب کمیں والے آئے ہیں کسی کو ان کے ساتھ بات نہ کرنی ہوگی۔ جو کوئی ان
سے بولتا ہوا دیکھا جائے گا۔ اسے پیشی میں جانا ہوگا"

ذرا ذرا سی بات پہ قیدی کو دھمکی ملتی تھی۔ "چلو سامنے چلو"۔ اس کے معنے "باری جمعدار"
کے سامنے پیش کرنے کے تھے۔ اگر باری دھمکی اور گالی دیکر معاف کر دے تو اچھا۔ ورنہ وہ
ٹکٹ پر پیشی لکھ دیتا تھا۔ اور اس قیدی کو سپرنٹنڈنٹ کی عدالت میں مجرم کے طور پر
پیش ہونا ہوتا تھا۔ اگر سپرنٹنڈنٹ کوئی سزا دیدے تو وہ قیدی کا قصور سمجھا جا کر اس
کی بدچلنی کا ایک ثبوت گنا جاتا ہے۔

ہمارے پہلے کپڑے لے لئے گئے۔ اور نئی جیل کی وردی۔ ایک ٹوپی۔ گھٹنوں تک ایک
جانگیا اور چھوٹا سا بانہوں کے کرتہ دیدیا گیا۔ ایک اور بہت چھوٹا جانگیا جس کو پہن کر
مشقت کرنی تھی۔ ہر ایک احاطہ میں ایک لمبی سی ہودی بنی تھی۔ جس میں سمندر کا پانی نل کے
ذریعہ ڈالا جاتا تھا۔ دن بھر مشقت کرنے کے بعد اس میں اشنان کر کے یا ہاتھ منہ دھو
کر کپڑے پہن لئے جاتے تھے۔ ہم نے بھی جا کر اس میں اشنان کیا۔ اتنے میں مشقت دینے
کا وقت آگیا۔ سب قیدی لائن میں بٹھائے گئے۔ ایک گورا اسسٹنٹ گولائی میں آیا۔
اس کی کرسی کے سامنے میز تھا۔ میز پر تولنے والا کانٹا پڑا تھا۔ اس پر چھلکا یا رسی کا بنڈل
رکھ دیا جاتا تھا۔ اور پورا اترنے پر پھینک دیا جاتا تھا۔ کم ہونے پر یا گیلا ہونے پر۔ یا اس
میں اچھی صفائی نہ ہونے پر وہ ٹنڈیل کو دھمکی دیتا تھا "کیا دیکھتا ہے؟ سرکار کا نمک حرام
کرتا ہے"۔ وغیرہ وغیرہ

واپس آئے چند منٹ گذرے۔ شام کا کھانا آگیا۔ بھنڈاری ایک سر پر چاولوں
کا لوہے کا صندوق اٹھائے۔ ایک کے ہاتھ میں دال کی بالٹی۔ ایک کے ہاتھ میں ترکاری

ساتھ جمعدار اور ایک دو اور ملازم احاطے کے دروازے پر آموجود ہوئے۔ ہیڈ افسر یا سٹیل نے پکارنا شروع کیا۔ برتن ہاتھ میں لو۔ ایک لائن میں بیٹھ جاؤ۔ چاول کا ڈبہ ڈالا۔ دال کی کڑچھی پڑی۔ تھوڑی سی ترکاری اور دو چپاتی سے پھلکے مل گئے۔ چار پانچ منٹ کے اندر سو ڈیڑھ سو قیدی کو کھانا بانٹ کر ٹھیکیداری دوسرے احاطے میں جا داخل ہوئے۔

پندرہ منٹ گزرے کھانا ہو گیا۔ اٹھو جاؤ۔ پلیٹ صاف کرو۔ ایک لائن میں کھڑے ہو۔ اور اپنی اپنی لائن یا قطار میں بیٹھ جاؤ۔ ساڑھے چار بجے۔ سب دو دو کی جوڑی میں تین قطاروں میں بیٹھے ہیں۔ سٹیل اور ہیڈ افسر پھاٹکوں پر کھڑے ہیں۔ خاموشی سے کسی کے آنے کے منتظر ہیں۔ اتنے میں جمعدار آیا۔ "صاحب آتا ہے" کہکر اگلے نمبر کو جلدی اٹھنے کو لا۔ سب چپ ہو جاؤ۔ ذرا سی کوئی آواز نکلتا ہے سٹیل یا ہیڈ افسر کہتا ہے اس کی زبان بہت چلتی ہے۔ چپ نہیں ہو سکتا؟

صاحب گولائی کے اندر پھرتا ہوا دو منٹ میں سب احاطوں کے پھاٹکوں کے سامنے سے گزر جاتا ہے۔ ابھی وہ پھاٹک کے سامنے نہیں آیا۔ جمعدار ہاتھ کھڑا کر کے ماتھے پر لگاتا ہے اور زور سے بولتا ہے "سرکار"۔ ایک سیکنڈ میں سب قطاروں میں قیدی کھڑے ہو گئے۔ جیلر منہ میں سگار لئے ہوئے پیٹ کو آگے بڑھائے ہوئے ایک ہی نظر میں سب کو دیکھ لیتا ہے۔ اگر کوئی سیدھا کھڑا نہیں ہوا۔ فوراً اس کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ سٹیل ہیڈ افسر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں

گولائی کے دوسری منزل پر ایک گھنٹہ لٹکتا ہے۔ پہلی گھنٹی بجتی ہے ہر ایک قیدی پھر کھڑا ہو کر ٹوپی اور کرتہ زمین پر ڈال دیتا ہے اور جانگیا حسین نالا نہیں۔ ہاتھ میں پکڑ کر کھڑا رہتا ہے۔ شام ہو گئی جیل کے قیدی وارڈ دن بھر قیدیوں کی مشقت کی نگہبانی کرتے ہوئے شام کے وقت ہر ایک احاطے میں بارہ بارہ کی تعداد میں آجاتے ہیں۔ ان میں سے چار چار رات کے تین تین گھنٹے ایک ایک لائن میں پھرتے اور پہرہ دیتے ہیں اور کوٹھریوں کے اندر پڑے ہوئے قیدیوں کو دیکھتے رہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی صلاح تو نہیں کاٹتا یا ایسی تو نہیں لے لیتا۔ یہ وارڈر جو کہ ہیڈ افسروں سے نیچے ہوتے ہیں۔ ان کی

شامل لال صافہ ہوتی ہے۔ ایک جیل سے قیدی پانچ سال میعاد کے اندر صرف وارڈر بنائے جا سکتے ہیں۔ ان کو مشقت کرنے کی بجائے دوسروں سے مشقت لینے کا کام کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال گذرنے پر ان میں سے پیٹی افسر اور دو تین سال کی خدمت کے بعد پیٹی افسروں میں سے سٹیل نائب بنائے جاتے ہیں۔ اس طرح قیدیوں کا سب انتظام ان کے اپنے ساتھیوں کے ذریعہ چلایا جاتا ہے۔ یہ سب قیدی گو گھر بار سے علاوطن اپنی اپنی سزا بھگتنے کے لئے وہاں آتے ہیں لیکن تھوڑا سا آرام ملنے پر اور دوسرے قیدیوں پر تھوڑی سی حکومت حاصل کرنے پر جیل گورنمنٹ کے ایسے خیرخواہ اور وفادار بن جاتے ہیں۔ کہ باقی تمام قیدی ان کی نظروں میں دشمن بن جاتے ہیں۔ قیدیوں کی ہر بات کی خبر وہ جیل افسروں کو پہنچا دیتے ہیں اور یہاں تک کہ ان کے اشارہ سے ان کو حوالہ کرنے کے لئے دوسرے قیدی کو پیٹنا تو ایک طرف رہا۔ ان کی جان تک لینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ گو ذرا سے قصور یا غفلت کی سزا میں پھر وہ مشقتی قیدی کی حالت میں آ جاتے ہیں۔ اس طرح جیل کی گورنمنٹ ان ہی قیدیوں کے ذریعہ سے ان کو انتظام میں رکھتی ہے۔

وہ وارڈ اپنے اپنے پہرہ والی لائن کے قیدیوں کی تلاشی لیتے ہیں۔ اتنے میں دوسری گھنٹی بجتی ہے اور قیدی تھوڑے تھوڑے کر کے اپنی قطاریں بنا کر کوٹھڑیوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس وقت پیٹی افسر چابیوں کا گچھا لٹکائے آ جاتا ہے اور تالا بند ہو جاتا ہے ایک کمبل نیچے بچھا لیا یا ایک تختہ پر اگر کوئی موجود ہوا۔

کوٹھڑی کے حدود کے اندر پھر یا لیٹ جاؤ۔ اس کا اختیار ہے۔ شور کرنا یا بہت باتیں کرنا جرم ہے۔ جس سے کہ پہرہ دینے والا وارڈر روک سکتا ہے۔ کوئی سو جاتا ہے کوئی گانا گاتا ہے۔ کوئی آہستہ آہستہ ساتھ کی کوٹھڑی والے کے ساتھ بات چیت کرتا ہے۔ جب وارڈر ادھر ادھر ہوتا ہے

رات کے بارہ تیرہ گھنٹے اکیلے اندھیرے میں گذارنے پڑتے ہیں۔ مجھے یہ وقت جیل کی زندگی میں بہت اعلیٰ اور آنند دینے والا معلوم ہوتا تھا۔ حالانکہ عام لوگ اسے بہت گھبراہٹ والا خیال کرتے ہیں۔ ایک تو مجھے سوچنے کی برکت حاصل ہوتی تھی جس وقت چاہتا تھا سو جاتا تھا

اور جتنا چاہتا تھا۔ اُتنا سو لیتا تھا۔

دن نکلنے سے کچھ دیر پہلے بیدار کرنے کی گھنٹی بجتی تھی میں اس وقت اُٹھ کر گیلے کے اندر شروع ہو کر ورزش کرنی شروع کر دیتا تھا۔ ایک ہی چھوٹے سے کمرہ میں پہلے پیشاب کرنا اور پھر پاخانہ کرنا دراصل بڑی مشق کے بعد حاصل ہو سکتا ہے اور پھر کو بھی بہت خراب نہ ہو کیونکہ اسی میں رہنا ہے۔ میرا احاطہ کے اندر ٹٹیاں بھی لگی تھیں۔ مگر سویرے تھوڑی ورزش کرنے کے قابل ہونے کے لئے ضروری تھا کہ اندر کو پہلے صاف کر لیا جائے۔

پھر ٹنڈیل یعنی افسر آگئے۔ اور دو چار منٹ کے اندر اپنی اپنی لائن کے تالے کھول دیئے۔ سب قیدی نکل کر لائن میں دو دو کر کے بیٹھ گئے ہر ایک لائن کی گنتی ہو کر جیلر کو رپورٹ ہو گئی۔ کہ سب پورا ہے۔ دوسری گھنٹی بجے پر پیچھے اترنا شروع ہوا تھے پھر لائن بٹھا کر گنتی ہوئی۔ اور ٹٹی جانے اور ہاتھ منہ دھونے کی اجازت ملی۔ چند منٹ ہی گذرے۔ پکار پڑی ہے "لائن میں بیٹھو کنجی آئی کنجی آئی" کنجی بہت پتلے ابالے ہوئے چاول کو کہتے ہیں اس کا ایک ایک ڈبو سب کو مل گیا۔ اور انہوں نے اسے فوراً پی لیا۔ "اپنی اپنی مشقت کے لئے تیار ہو جاؤ"

کرتا جانگیا اتار کر چھوٹا جانگیا پہن لیا۔ اور ہمیں بھی چھلکا پیٹنے کی مشقت پر لگا دیا گیا احاطہ میں ایک جگہ لکڑی کے مالوں کا ڈھیر لگا تھا۔ "ایک ایک لکڑی اٹھالو" سب نے اپنی اپنی لکڑی اُٹھالی۔ جو باقی پڑی رہیں ہم لوگوں نے بھی کہہ کے یہ اُٹھالی۔ وہ لیکر باقی لوگ کوٹھڑیوں کے سامنے برآمدہ کے اندر لکڑی آگے رکھ کر بیٹھ گئے۔ ہمیں لکڑی لیکر کوٹھڑی کے اندر جانا پڑا۔ نئے آنے والوں کو کچھ دن کوٹھڑی کے اندر کام کرنا پڑتا ہے۔ ہمارا وہ عرصہ چھ ماہ تک رہا۔ اتنے میں موٹی موٹی منگلیوں کا ایک ڈھیر لایا گیا۔ اس میں سے سب نے ایک ایک منگلی لے لی۔ ہم کو بھی ایک ایک دی گئی۔ اور پھر ہم نے چھلکا اٹھا کر اپنی کوٹھڑی میں رکھا۔ ایک۔ ایک ٹکڑا لکڑی پر رکھ کر اوپر سے منگلی سے پیٹنا شروع کیا۔ اسے کچھ مٹ پیٹنے سے اس میں سے ریشے نکل آتے۔ بعد ان کو نکال کر جمع کرتے گئے۔ ان ریشوں کا دو پونڈ لیتا [illegible] ہر ایک کو کالی پڑتی ہے تجربہ کار اور مضبوط بازو والے لوگ

تین چار گھنٹے منگلی مارنے سے اتنی مقدار نکال لیتے ہیں۔ بڑے آدمی یا کمزور کام کرنے کے عادی اشخاص دو گھنٹے وقت کے اندر بھی کام پورا نہیں کر سکتے۔ انڈمان میں ناریل سے بڑا کام لیا جاتا ہے۔ جنگل کاٹنے کے علاوہ جس کی لکڑی باہر روانہ کی جاتی ہے۔ قیدیوں کے لیے ناریل بڑی محنت مہیا کرتا ہے۔ باہر کے قیدی ناریل پودے لگاتے ہیں۔ ان سے ناریل توڑتے ہیں۔ سال بھر اس کا پھل ہوتا رہتا ہے۔ گاڑیوں میں لاد کر پہنچ کر جیل میں لاتے ہیں۔ جیل میں اس کا اوپر کا چھلکا پھاڑا جاتا ہے۔ پھر اندر سے چھلکے کو توڑ کر ناریل نکالا جاتا ہے۔ ناریل کو خشک کر کے کولہو میں پیس کر تیل نکالا جاتا ہے۔ ایک قیدی بارہ سیر تیل روز نکالتا تھا۔ اندر کے سخت چھلکے سے حقہ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ اوپر کے نرم چھلکے کو کوٹ کر ریشے نکالے جاتے ہیں۔ جس سے چھوٹی اور بڑی بڑی رسیاں بنائی جاتی ہیں۔ جو کہ جہازوں کے کام آتی ہیں۔ کیونکہ وہ پانی میں رہنے سے گل جانے کی بجائے الٹی مضبوط ہو جاتی ہیں۔

دس بجے ایک گھنٹہ کھانے کے لئے باہر جانا ہوتا ہے۔ اور شام کی طرح کھانا لا کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ کھانا کھا کر پھر اندر آ اپنی اپنی جگہ بیٹھ کام میں لگ جانا پڑتا ہے۔ ہر وقت وارڈر۔ پیٹی افسر اور ٹنڈیل اوپر پھرتے رہتے ہیں کیا مجال کہ کوئی بیٹھ جائے۔ یا بات چیت کرے۔ جیلر یا اسسٹنٹ جیلر بھی دورہ لگا کر کام کو دیکھتا ہے۔ جب کوئی قیدی کام کو ختم کر لیتا ہے۔ اور پیٹی افسر کو تسلی ہو جاتی ہے کہ اس کی مشقت پر اعتراض نہ ہوگا تو اسے اپنی کتاب پڑھنے یا آرام کرنے کی اجازت بھی ہو جاتی ہے۔

اتنے میں مشقت کا وقت آ جاتا ہے۔ یہ زندگی ہے جس میں کہ جیل میں دن ہفتہ مہینے سال اور عمر گزارنی پڑتی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں۔ تبدیلی کے اندر زندگی کا لطف ہے جو کہ جیل میں نصیب نہیں ہو سکتا۔

ہمارے گروہ کے جیل میں پہنچنے سے پہلے کئی سال سے پولیٹیکل قیدی وہاں موجود تھے بنگال کے مانک ٹولا سازش کے قیدی وہاں تھے۔ مہاراشٹر کے ساورکر بھائی بھی وہیں تھے۔ پنجاب اور یوپی کے "سوراجیہ" اخبار کے ایڈیٹر ہوکر ایک کی سزا کے بعد دوسرا وہاں

جا رہا کئی وہاں رہ چکے تھے۔ مگر ہمارے جانے سے پہلے ہندوستان کی جیلوں میں واپس کر دیے
گئے تھے۔ گو کسی وقت ان کی تعداد تیس چالیس کے قریب ہو چکی تھی لیکن اس وقت ہمارے قیدیوں
کی تعداد کوئی دس کے قریب ہی تھی۔ ہمارے وہاں پہنچتے ہی قیدیوں نے ہمیں ان کے قصے بتا دیے
کہ کس کس طریقوں سے سدگوپال۔ لدھا رام۔ اور رام ہری وغیرہ جیلر اور سپرنٹنڈنٹ کے
ساتھ اپنے اور دوسرے قیدیوں کے حقوق کے لیے جد وجہد کرتے رہے۔ کس طرح انہوں
نے جیل کی سب قسم کی سزائیں اور تکلیفیں اپنے اوپر اٹھائیں اور دوسرے قیدیوں کے اوپر
ناجائز ظلم یا سختی کو رد کرنے کی کوشش کی۔ کس طرح ان میں سے ساورکر اور دوسرے پولیٹکل
قیدیوں کو کولہو پیلنے کا کام دیا گیا۔ اور وہ کام کرتے رہے

کس طرح چھابا سدگوپال پہلا شخص تھا جس نے کام سے انکار کرنے کی تحریک چلائی۔ اور
ان لوگوں نے اکٹھے ہو کر سٹرائیک کر دیا۔ کس طرح ایک بنگالی لڑکا بھی گوپال تین ماہ تک
"ہنگر سٹرائک" پر رہا اس نے کھانا کھایا اور نہ کپڑا پہنا۔ کوٹھی کے اندر ننگا پڑا رہتا تھا
اس کا کمزور بدن صرف ہڈیاں ہی رہ گئیں۔ یہ سب باتیں اور دوسری چھوٹی چھوٹی وہاں کے قیدیوں
کو اپنی یادداشتوں کے طور پر یاد تھیں اور باوجودیکہ ہمارے ساتھ بولنے کا حکم نہ تھا۔ ایک ہی دن
کے اندر ہی ہمیں سب تاریخ سے واقفیت ہو گئی۔ ہمارے آنے پر جیلر نے چھوٹے افسروں اور
ٹنڈیلوں کو حکم دیا کہ وہ ہماری خاص نگرانی کریں۔ ہم کو نہ آپس میں اور نہ دوسروں سے بات کرنے
کا موقع دیا جائے۔ کھانے کی پریڈ میں ہم کو ایک دوسرے سے بہت فاصلہ پر بٹھایا جائے ہماری
کوٹھیاں ایک دوسرے سے دور دور فاصلہ پر ہوں اور ہمارے پیچھے خاص آدمی لگا کر ہماری
باتوں کو معلوم کرنے کا خیال رکھیں اور اطلاع دیتے رہیں۔ جیلر نے ہمیں بتایا۔ کہ جب اس
جیل میں کسی کی شکایت ہوتی ہے تو یہاں کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ اسے قصوروار سمجھا جاتا ہے
جب تک کہ وہ اپنے آپ کو بے قصور ثابت نہ کرے۔ ان حالات کے اندر ہماری سختیاں ہونا
کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ پہلے دن ہم نے کام کیا۔ ایک طرح سے یہ پہلا دن تھا جب کہ
میں نے باہر یا جیل کے اندر ہاتھ سے ایسی سخت محنت کا کام نہ کیا تھا وہ کام جتنا بھی سخت
ہو سکتا تھا ہم میں سے کئیوں کا کام کم تھا۔ میں چار کا تیسرا حصہ [illegible]

دن جیلر کے سامنے کیا گیا۔ جیل کے قاعدہ کے مطابق نئے قیدیوں کی پہلے پندرہ دن کوئی پریڈ نہ ہوتی تھی۔ مگر ہمارے لئے خاص ہدایت تھی۔ اس لئے منڈیل کے لئے سامنے لیجانا ضروری تھا۔ باری صاحب نے دھمکی دینی شروع کی۔

"یہ جیل ہے۔ یہ کالا پانی کا جیل ہے۔ یہاں کام پورا کرنا ہوگا"

میرے نام کا ایک اور نوجوان ہم میں تھا۔ وہ سیدھا سادہ بے پرواہ کھڑا ہنس رہا تھا۔ اُسے باری صاحب بولا "سیدھے کھڑے ہو" جمعدار پاس آگیا۔ ہاتھ سے کھڑا ہونا سکھلانے لگا۔ "لے جاؤ۔ پہلا دن ہے" جیلر نے حکم دیا۔ اور ہم اپنی کوٹھڑی میں واپس آگئے

دوسرے روز اتوار تھا۔ اتوار صبح اٹھ کر کپڑے دھو کر سکھانے ہوتے ہیں۔ کپڑے سوکھتے ہیں۔ اور ادھر قیدی لوگ احاطہ میں گھاس وغیرہ اکھاڑ کر صفائی کرتے ہیں۔ اتوار کو بھی پیسنے کے لئے نہیں ملتی۔ دس بجے کھانا کھلا کر پھر سب کو کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ شام کو نکال کر کھانا کھلایا۔ پھر اسی طرح پریڈ میں بٹھا کر بند کر دیا۔ دوسرے دن اٹھے۔ پرمانند نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا مجھ سے یہ کام نہ ہوگا۔ منڈیل اسے لیکر دفتر میں جیلر کے سامنے لے گیا۔ جیلر غصہ سے بڑبڑانے لگا۔ پرمانند نے ویسا ہی جواب دیا۔ وہ کرسی سے ہاتھ اٹھانے کے لئے اٹھنے لگا۔ پرمانند نے اسے دھکا دیا۔ وہ کرسی پر گرا۔ کرسی گر گئی۔ وہ پیچھے جا پڑا منڈیل جمعدار وغیرہ نے پرمانند کو پیٹا۔ اس کے سر سے خون نکل آیا فوراً سپرنٹنڈنٹ کو ٹیلیفون کیا گیا۔ باری صاحب سپرنٹنڈنٹ سے بڑا ڈرتا تھا اس نے حکم دیا کہ پرمانند کا خون دھو کوئی نشان باقی نہ رہے اور اسے ایک کوٹھڑی میں تالا بند کر دو۔ جس کے پیچھے کام وغیرہ کے لئے کبھی باہر مت نکالو۔

سارے جیل میں شور مچ گیا "باری صاحب پیٹا گیا"۔ گو بظاہر منڈیل پیٹی افسر باری سے ڈرتے اور خوشامد کرتے تھے۔ لیکن سب اس کے پیٹھ پیچھے جانے پر ہنستے تھے اور خوش تھے وہ ایسا جابر اور ظالم تھا کہ دل میں سب ہی تنگ تھے۔ چار پانچ دن کے بعد سپرنٹنڈنٹ نے معائنہ کیا۔ اور تمام جیل کے کھاتے وغیرہ بند کرا دئے۔ تاکہ پرمانند کو بید لگانے کی سزا دی جائے۔ اسے بیس بید لگائے گئے۔ اس نے سی تک نہ کی۔ مگر اس کی حرکت ہی ہم سب نے

سٹرائک کردی۔ سٹرائک سے جیل کے افسر گھبرا جاتے ہیں۔ ڈر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے قیدیوں پر اثر ہوگا۔ اور جیل کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ باری صاحب نے سب کے پاس پھرنا شروع کیا۔ اور بڑی نرم نرم خوشامد کی باتیں شروع کیں کہ یہ اس کا قصور تھا۔ اس نے ایسا انکار کام کیا۔ میں نے بالکل کچھ نہ کہا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس دفعہ تو سب کام کرنے پر راضی ہو گئے۔ بشرطیکہ آگے جیل کی طرف سے ایسی کوئی سختی ہو۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ "باری" صاحب اوپر سے میٹھا اور ٹھنڈا تھا۔ مگر اس کے دل میں زہر بھرا رہا۔ اور کینہ کی آگ سے جلتا تھا۔

باقی سالوں کی ہسٹری کی تفصیل بڑی لمبی داستان ہے۔ ان کا بیان تو پڑھنے والے کی سمع خراشی کرنا ہے۔ اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ جیل میں بھی ملکی پارٹیوں کی طرح مختلف خیالات کے کئی گروہ بن گئے۔ جن کی اغراض جدا جدا ہونے سے کئی سال تک جیل میں ایک عجب طرح کی کشمکش جاری رہی۔ ان سب چالوں کی چابی ایک باری صاحب کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی غرض صرف ایک تھی۔ کہ جو نئے پولیٹیکل قیدی آئے تھے جو کہ موقعہ بموقعہ اس کی گستاخی اور بے عزتی کرتے تھے۔ اور جنہوں نے اس پر حملہ کرنے سے پرہیز نہ کیا۔ ان پر جتنی ممکن ہو سختی کر کے اپنے دل کو ٹھنڈا کرے۔ سپرنٹنڈنٹ کا دل قدرتی طور پر نیک تھا اور وہ یہی جانتا تھا کہ جیلر شرارت اور فساد پر جوش رہتا ہے۔ اس لئے باری صاحب چاہتا تھا کہ کسی طرح سے سپرنٹنڈنٹ بھی اس کا ہم خیال ہو جائے۔ اس کا صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ ہم میں سے کوئی آدمی اسی قسم کا یا اس سے سنگین حملہ سپرنٹنڈنٹ پر کر دے۔ جس سے کہ اسے ہم لوگوں کی شرارت کا ذاتی یقین ہو جائے۔

چند آدمیوں کی ایک پارٹی تھی۔ جو کہ سچ مچ اپنے آپ کو مظلوم سمجھتے تھے۔ ان کے دل میں پولیٹیکل قیدی ہونے کی وجہ سے ان کے خاص حقوق ہونے چاہئیں۔ ان کے لئے خاص لباس اور خاص کھانا ہونا چاہئے۔ دوسرے قیدیوں سے بسر ہو کر ان کے ساتھ خاص قسم کا سلوک ہونا چاہئے۔ لیکن سب کچھ ان کے منشا کے خلاف ہوتا۔ بلکہ کہا تھا ان کو دوسرے قیدیوں جیسا تھا تھا کام ان کو دلیا ہی کرنا پڑتا رہا۔ حالانکہ دوسرے قیدی ان سے تم کم کرتے یا کام کے تکلم

عادی ہوتے تھے۔ اُن کے لئے ایسی سزا نہ ملنی چاہیئے کہ یہ پولیٹیکل قیدیوں کے لئے جن کی بنیادی
پوزیشن اُن سے بہت بہتر تھی۔ عام لوگوں کی سوسائٹی باہر بھی اس ہی قسم کے آدمیوں سے
ہوا کرتی تھی۔ ان سب باتوں کے باوجود بھی چور اور قاتل لوگ وارڈر اور چیف افسر بن کر
پولیٹیکل قیدیوں پر حکومت کرتے اور اُن کو انتظام کے اندر رکھتے تھے۔ اس پارٹی کے آدمی
جیل میں بھی ویسی ہی ایجی ٹیشن کر کے اپنے حقوق حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ وہ ملک میں
ایجی ٹیشن کرنے کے عادی تھے۔ ان کا خیال اور جوش جیل میں آکر بھی ویسا ہی قائم تھا۔ اس لئے یہ
لوگ سٹرائک وغیرہ کے حق میں تھے۔ ان میں سے کئی ایسے تھے جنہوں نے جیل کا کھانا کھانے
سے انکار کر دیا۔ اور ہنگر سٹرائک میں رہ کر اپنی جان دیدی۔ ایسا ایک ہوشیارپور ضلع کے ایک
گاؤں کا رہنے والا رام رکھا مالی تھا۔ جو کہ سنگھائی سے پکڑا گیا تھا۔ ایک بیر سنگھ پانچ ماہ تک
ہنگر سٹرائک پر رہا۔ اس کا وزن ایک سو پچاس پونڈ سے نوے پونڈ تک ہو گیا۔ اور پھر سے
اسے مجبور کیا۔ اور اس نے کھانا کھانا منظور کیا۔ ان میں سے سکھ صاحبان کو خاص شکایت
یہ تھی کہ ان کو بال صاف کرنے کے لئے صابن وغیرہ کچھ نہ ملتا تھا۔ مذہبی خیال سے سکھوں
پر یہ بڑا ظلم سا تھا۔

اس کے علاوہ باقی پارٹی تھی۔ جو کہ سمجھ کر کہا ماننے پر تیار ہو جاتے تھے۔ اُن کے پیٹی
افسروں سے عموماً جھگڑے ہو جاتے تھے۔ جیلر یا اسسٹنٹ جیلر سے فساد ہو جاتا تھا۔ وہ
جب دیکھتے تھے کہ ہندو یا سکھوں پر ناجائز سختی ہوتی ہے۔ ان پر ہاتھ ڈال کر تنگ کیا جاتا
ہے۔ یا ان کا مذہب خراب کیا جاتا ہے۔ تو وہ ایسی حرکت کو دیکھ نہ سکتے تھے اور خود آ کر روکنے
کے لئے دخل دیتے تھے اور لڑائی جھگڑا پیدا ہو جاتا تھا۔ ان لوگوں کو ایک پارٹی کی دلیلیں ہیل
کرتی تھیں۔ کیونکہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم دیش کے کام کے لئے جیل میں آئے ہیں اور یہاں آکر دوسرے
قیدیوں کے لئے کام کرنا ہمارا ایسا ہی فرض ہے۔ جیسا ملک میں ملک کے لئے کام کرنا۔ ان
کو باری صاحب اور اس کے کارپردازوں سے سخت نفرت تھی اور اسے دیکھ کر نہ وہ اس کے
آگے اٹھنا چاہتے تھے۔ نہ اوس سے بات کرنا چاہتے تھے مگر اس سے وہ ہمیشہ جلتا رہتا تھا۔ دوسری
سوچ والی پارٹی بھی اپنی [illegible]

کر سکیں گے۔

سپرنٹنڈنٹ ہر ماہ میں ایک اتوار صبح خود سب قیدیوں کا دورہ کیا کرتا تھا۔ دورہ کرتے وقت بھائی چھتر سنگھ نے اس پر خالی ہاتھ حملہ کر دیا۔ اور گردن کو پکڑنے کی کوشش کی۔ سپرنٹنڈنٹ کرسی سے گر گیا۔ بھائی چھتر سنگھ کو افسروں اور وارڈروں نے پکڑ لیا۔ اور اسے بہت مارا پیٹا۔ سپرنٹنڈنٹ نے اُسے لوگوں سے چھڑوایا۔ جیلر پاس ہی میں تھا۔ جب اس نے یہ ماجرا سنا۔ ایک دفعہ تو دل میں سہما اور جوش ہوا کہ اسکی تجویز آخر کار اپنا پھل لے آئی

چھتر سنگھ کو تو کوٹھڑی کے دروازے اور باری میں باریک جالی لگوا کر دن رات کے لئے بند کر دیا گیا اور آئندہ کے لیے سپرنٹنڈنٹ کے سامنے باری صاحب کی دلیل زیادہ کارگر ثابت ہونے لگی۔ یہ قدرتی تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کا دل بھی زیادہ سخت ہو جائے۔ ذاتی دکھ یا رنج انسان کا دل بدلنے میں زیادہ اثر رکھتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس سب فساد کی جڑ سادر کر مایوں کو بتا دیا گیا۔ اور یہ کہ وہ ہمیشہ جیل میں بے چینی پھیلا کر خوش ہوتے تھے۔

باری کا داؤ چل گیا۔ اس کے طرفدار آرام میں ہو گئے اس کے مخالف ماعن نگاہ میں ہو گئے۔ باقی کے "مت کس والے" زیادہ سختی کے دن گذارنے لگے۔ زیادہ سختی ہونے پر وہ زیادہ گرتے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ کے آگے پر کھڑے نہ ہوتے تھے۔ انہیں کوٹھڑی میں بند کیا جاتا تھا ہتھکڑیاں لگا کر اونچا باندھ دیا جاتا تھا۔ تاکہ کھڑے رہیں۔ پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جاتی تھیں۔ کئی بار سٹرائک ہوئی کھانے چھوڑے گئے بھوک ہڑتالیں ہوئیں۔ سزائیں ملیں۔ کئی افسروں وارڈروں سے دنگہ فساد ہوئے۔ وقت انتظار نہیں کرتا۔ اسی طرح چلتا گیا۔ جب کہ سال گذر گئے۔ باری صاحب کا کال اُسے رخصت پر لے گیا

سپرنٹنڈنٹ رخصت لیکر چلا گیا۔ باری صاحب کی موت واقع ہو گئی۔ جیل میں کئی آدمیوں کی رہائی ہو گئی۔ نئے جیل افسر اور سپرنٹنڈنٹ آ گئے

پولیٹیکل قیدیوں کے ساتھ چیف کمشنر یا سپرنٹنڈنٹ کی طرف سے ایک مہربانی کی گئی اور وہ یہ تھی کہ دوران جنگ میں ان کو لنڈن ٹائمز کا ہفتہ واری ایڈیشن مطالعہ کے لئے ملا کرتا تھا۔ گو یہ اکیلی رعایت تھی۔ تو بھی جیل میں یہ بڑی تبدیلی تھی کہ اس سے سب [illegible] کا [illegible] آ

جاتا تھا۔ جیل کی پالیسی کے لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ ہم کو ملک کے حالات کا کچھ پتہ نہ لگے۔
اس لئے ملک کا کوئی اخبار ہم کو کم ہی دیکھنا نصیب ہوتا تھا گو ملک کے متعلق ہونے والے واقعات
کا علم کسی نہ کسی ذریعہ سے اگر جلد نہیں تو دیر بعد ہمیں ہو جاتا تھا جنگ کے پچھلے وقت میں جب انگلینڈ
کی طرف سے گورنمنٹ ہند کی اصلاح کا اعلان کیا گیا تو ہمارے دل میں بڑی امید ہو گئی
کہ جنگ کسی نہ کسی طرح ہندوستان کے لئے مفید ثابت ہوا ہے اس کے ساتھ ہی ہمیں اپنے
لئے بھی امید کی ایک ریکھا نظر آنے لگی۔ پھر رولٹ کمیشن آیا۔ اس کی رپورٹ نے اس امید کو توڑ
دیا۔ جنگ ختم ہو گیا۔ عام قیدیوں کو سزا میں ایک سال کے پیچھے ایک ماہ کی معافی ملنے کا اعلان
سنایا گیا۔ ہم سے کہا گیا کہ پولیٹیکل قیدیوں کے متعلق ابھی غور کیا جا رہا ہے۔ اس میں امید کی پھر
ذرا گنجائش ہو گئی۔ اتنے میں معلوم ہوا کہ رولٹ ایکٹ کے خلاف زبردست ایجیٹیشن ہے اور جابجا ملک میں
بڑا شور برپا ہوا ہے ہندو مسلمانوں نے اتفاق کر لیا ہے۔ پھر خبر ملی کہ پنجاب کے لیڈر اور وکیل
سب گرفتار ہیں اور بہت سے مقامات پر مارشل لا ہو گیا ہے۔ ملک کے اندر حیرت انگیز ہلچل دیکھ
کر ہم دنگ ہو رہے تھے کہ اتنے میں مارشل لا کے تیس عدد قیدیوں کا ایک گروہ وہاں آ پہنچا۔ انہوں
نے آ کر امرتسر۔ گوجرانوالہ۔ لاہور وزیرآباد وغیرہ مقامات کے واقعات اور حالات سنائے۔
ہمیں ان حالات سے نظر آتا تھا کہ اب بقیہ عمر جیل میں گذارنی ہوگی۔ میرے دل میں اب ایک عجیب
بے چینی سی پیدا ہو رہی تھی۔ میں ہر لمحہ یہ سوچتا تھا۔ کہ اب زیادہ دیر زندہ رہنا چاہئے۔ یا زندگی کا
خاتمہ کر دینا چاہئے جیل کی غلامی میں زندگی قائم رکھنا زندگی کی ناجائز محبت ظاہر کرتا ہے میرے
ہمدرد سپرنٹنڈنٹ نے مجھ پر مہربانی فرما کر اپنے اختیار استعمال کر کے مجھے ہسپتال میں کمپونڈری
کے کام پر لگا دیا۔ جب چیف کمشنر کرنل ڈگلاس جو تین ماہ کی رخصت لیکر لنڈن گیا ہوا تھا۔
واپس دورے پر آیا تب مجھے ہسپتال میں دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا اس نے [illegible] دیا کہ
[illegible] تمہیں یاد کرتے تھے۔ انہوں نے پوچھا تھا کہ کیا [illegible] ہے اس کو
میں [illegible] اور [illegible]
میری روانگی ہوئی چھٹیوں میں سے کچھ [illegible] سرکو [illegible]
[illegible] حکم دیا کہ مجھے حوالات میں [illegible] کر دیا جائے [illegible] شام کو [illegible]

جمعدار وغیرہ اکٹھے ہو کر آئے میری تلاشی لے کر مجھے حوالات میں بند کر دیا۔ میں پہلے سے ہی دل میں کھانا
پینا چھوڑ کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر دینے کی نیت سوچ رہا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا۔ کہ اب زیادہ زندہ
رہنے کی ضرورت نہیں۔ سات دن رات اسی طرح فاقہ کشی کی حالت میں پڑا رہا۔ پہلے دو دن بدن
کے اندر عجیب سی حس و حرکت پیدا ہوئی تھی۔ ٹانگوں کے اندر رگوں ریشوں میں کچھ رینگتا سا
معلوم ہوتا تھا۔ دل میں ایک ہی ارادہ تھا اور وہ مر جانے کا۔ ابھی ایسا ارادہ کئے تھوڑے ہی
دن ہوئے تھے کہ جیل میں بادشاہ کے اس اعلان کی خبر آئی کہ سب پولیٹکل قیدی چھوڑ دئے
جائیں۔ بعض آدمیوں نے مجھے اپنا ارادہ ترک کرنے کو کہا۔ میں نے جواب دیا کہ میں بغیر کھائے پئے
زندہ رہ سکتا ہوں۔ چھ سات روز بعد ڈاکٹر کو حکم ملا کہ ٹیوب لیکر ناک کے ذریعہ میرے جسم کے
اندر دودھ داخل کرے۔ آٹھ ہفتہ تک برابر ناک کے ذریعہ زبردستی میرے جسم میں دودھ
داخل کیا جاتا رہا۔ اس عرصہ میں نیا سپرنٹنڈنٹ عموماً میرے ساتھ آ کر بحث کیا کرتا اور کہتا تھا
کہ خودکشی بڑا پاپ ہے۔ اتنے میں مارشل لا کے قیدیوں اور چار بنگالی پولیٹکل قیدیوں کو رہائی
کا حکم آ گیا۔ اس کے بعد مجھے کئی لوگوں نے کہلا بھیجا کہ اب تمہیں اپنی ضد چھوڑ دینی چاہئے اور ساتھ
ہی یہ خبر بھی پہنچی کہ باہر کے کسی اخبار میں دیکھا گیا تھا کہ میری رہائی کا حکم ہو گیا ہے۔ پھر تھوڑی سی
امید پیدا ہو گئی۔ جس سے دنیا کی پھر سے حرص کی زنجیر پڑنے لگی۔ ایک دن سپرنٹنڈنٹ نے
اشارتاً یہ کہا کہ تمہیں اب ایسا نہ کرنا چاہئے۔ کئی آدمی رہا ہو گئے ہیں ممکن ہے کہ تمہارے لئے
بھی حکم آیا ہو۔ اگر تم ایسی حالت میں رہو گے۔ تو تمہارا واپس جانا ممکن نہیں ہو گا۔ یہ ایک طرح سے
صریح اشارہ تھا۔ اور میں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اگر پھر موقعہ ملتا ہے تو ایک دفعہ پھر اس بستر
سے [illegible] اٹھایا جائے۔ میں کھانا قبول کرنے پر راضی ہو گیا۔ سپرنٹنڈنٹ نے کھانے کا ایسا
انتظام کیا کہ تین چار ہفتہ کے اندر میرا وزن پھر بڑھ گیا۔

ایک روز صبح اٹھ کر منہ دھو رہا ہی تھا کہ اچانک ایک وارڈر بلانے آیا۔ ہمارے مقدمہ
کے چودہ اور آدمی بھی وہاں لائے گئے۔ ہم پھاٹک کے قریب کھڑے انتظار کرتے تھے۔
کہ سپرنٹنڈنٹ اور جیلر آئے۔ ان کے ہاتھ میں کچھ وارنٹ تھے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ تمہاری
رہائی ہے۔ ان لوگوں کو یہ حکم سنا دو کہ پنجاب گورنمنٹ نے چند شرائط پر ان کی رہائی منظور

کی ہے۔ اگر ہمیں وہ سب شرائط منظور ہیں تو اُن پر دستخط کر دیں۔ اگر وہ ان کی خلاف ورزی کریں گے
تو انکو باقی کی سزا بھگتنی ہوگی۔ بعد ازاں ایک ٹائپ کی ہوئی چٹھی میرے لئے تھی کہ میں آئندہ
کسی غدر والی یا انارکسٹ تحریک میں حصہ نہ لوں گا۔ اور سرکار کی مہربانی کا مشکور ہوں گا۔ مجھے
اس اقرار کرنے میں کوئی عذر نہ تھا۔ ہم سب اپنے اپنے احاطے میں اپنے کمبل اور کپڑے لائے گئے
ہمارے ساتھیوں کو اس واقعہ کی خبر مل چکی تھی۔ وہ سب دوڑتے ہوئے تپاک سے ہمیں ملنے کے
لئے آ جمع ہوئے۔ وہ تو سب خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ مگر میرے دل کی حالت اس سے
زیادہ عجیب تھی۔ اس بات کی خوشی کہ رہا ضرور ہوا لیکن ایک غم بھی تھا اور وہ یہ تھا کہ ان آدمیوں
سے جدائی تھی جن کے ساتھ کچھ عرصے زندگی اور موت دکھ اور سکھ امید اور ناامیدی کا شریک
ہو چکی تھی۔ اس خیال نے کہ وہ پیچھے رہ جائیں گے میرے آنسو جاری کر دئے۔ دو دن نہ گزرے
تھے کہ دیبی پورانا "مہاراجہ" نامی جہاز مدراس جانے کو تیار ہوا ہم کو جیل سے نکال کر اس جہاز میں
لایا گیا۔ تین دن کے بعد جہاز کنارے پر مدراس میں آ پہنچا۔ رات بھر وہاں رہے دوسرے دن
پولیس کمشنر کے دفتر میں حاضر ہوئے۔ وہاں ہمیں خرچ خوراک وغیرہ دیا گیا۔ تیسرے درجے کے ٹکٹ
خرید کر ہمارے حوالے کئے گئے ہم سوار ہوئے راستے میں ہم بمبئی سی پی۔ یو پی اور دہلی اور پنجاب کے علاقوں سے
ہو کر گزرے ساتھی کچھ لدھیانہ کچھ امرتسر میں اتر گئے۔ میں اکیلا لاہور سٹیشن پر پہنچا۔ شام کے سات بجے کا وقت
اپریل کی ۲۴ تاریخ تھی انگی دن رات تھا میں اپنا کمبل کپڑے لپیٹے ہوئے باہر نکلا تانگے پر بیٹھ کر لوہاری
دروازہ آ کر اتر گیا میں سوچتا تھا کہاں جاؤں سماج کی ڈیوڑھی میں جا کر کھڑا رہا میں نے اشارے سے
ایک آدمی کو بلایا۔ اس سے پوچھا کہ آپ بھائی پرمانند کی استری کی رہائش کا پتہ بتلا سکتے ہیں
وہ میرے ساتھ چلے آئے اور اس مکان پر پہنچا دیا۔ میری استری نے مجھے دیکھا۔ حیران ہو
گئی۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔ اس کے دل میں کیا گزرا ہوگا میں نہیں بتلا سکتا۔ اس نے میری
غیر حاضری میں بہت دکھ اور کشٹ اٹھائے۔ وہ لاہور رہ کر کوشش کرتی رہی۔ کہ مجھے
واپس بلائے۔ مہاتما گاندھی اور مسٹر اینڈریوز جیسے بڑے آدمیوں کو مل کر اس نے میرے
لئے کوشش کی۔ شاید اس دیوی کی بدولت ہے کہ میں پھر ایک دفعہ اس دنیا پر آیا کہ اس
کے غم اور خوشی میں شریک ہو سکوں۔ ——

میں کئی ایک دوستوں کے کہنے پر مجبور ہوں کہ اپنے قیام جیل کے کچھ حال لکھوں۔ جو صرف اسی کو جب میں نے
اکیس ہزار روپیہ جرمانہ ادا کیا تو عدالت نے مجھے ۶ ہفتہ قید محض بھگتنے کیلئے جیل پولیس کے حوالہ کر دیا ہوا کہ
مجھے جیل میں لے گئی۔ جیل کے اندر جاتے ہی میرے کپڑے اتار کر جیل کی وردی پہننے کے لئے دیا گیا
جمعدار پولو رام نے مجھے کچیلا اتارنے کے لئے کہا جس کا جواب میں نے نفی میں دیا۔ اس رات مجھے ۱۰
بجے تک ایک پھانسی کی دس بارہ سٹ لمبی اور چوڑی تنگ و تاریک کوٹھری میں رکھا گیا جس کے سیخوں
والے دروازے کے باہر ایک کچی چار دیواری اور دروازہ تھا اور پھر مجھے دس بجے کے بعد میرے ہاتھوں
میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں لگا کر مسلح پولیس کے زیر حراست رات کی گاڑی پر گورداسپور لے گئے
امرتسر جیل سے سٹیشن اور گورداسپور سٹیشن سے آگے جیل تک مجھے پیدل ہی لیجایا گیا۔ راستہ میں کسی کو
اجازت نہ تھی کہ میرے ساتھ بات تک کر سکے۔ گورداسپور جیل میں امرتسر جیسی ہی ایک کوٹھری میں رکھا
گیا اور وہاں مجھے جو سپرنٹنڈنٹ تھا۔ وہ چونکہ ایک انگریز تھے اور اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ مجھے
قید محض سناتے ہوئے مجھ سے مشکا نکالا پوائی۔ خوراک کی یہ حالت تھی کہ آٹا اور سوڑا ملا ہوا تھا۔ روٹی
کا وزن پورا کرنے کیلئے اسکو کچا رکھا جاتا۔ اور یہی شکایت تھی جاتی تھی کہ آٹا پورا نہیں دیا جاتا۔ روٹی
کیساتھ تنکوں اور پتوں کی بھری دی جاتی تھی۔ صبح اور شام پاؤ پاؤ ماش تیل دینے کا حکم ہے
مگر یہ بھی مشکل سے دکھائی دیتا تھا۔ مجھ پر چونکہ نگرانی رکھی جاتی تھی اور کسیکو مجھ سے بات کرنے کی
اجازت نہ تھی۔ اس لئے مجھے اس جیل کا کچھ حال بھی معلوم نہ ہو سکا۔ یہاں جب کسی قیدی سے کوئی قصور
ملتا تھا۔ تو وہ دا۔ دھر گورنمنٹ کر کی بد سلوکی کا ذکر کرتا تھا۔ ۱۲ اسی کو صبح کیوقت میرے ہاتھوں میں
ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں لگا کر پولیس کے سپاہیوں کو ۲ ہی آدمی خوراک دیکر حکام جیل نے ان
سے کہا کہ اسکو ڈیرہ غازیخاں عارہی گھاٹ سے ۵ روز میں پیدل لے جانا اور کوئی خرچ کرایہ وغیرہ
کیلئے نہ دیا گیا اور پولیس مجھے صبح کی گاڑی لیکر ڈیرہ غازیخاں کو چلدی۔ راستے میں لاہور سردار سردول
صاحب اور میرے بھائی سردار ... سنگھ جی دیگر دوست ملے میں نے بھائی سرکھ سنگھ جی سے روٹی وغیرہ
کے لیے خرچ لیا جیسے کم دیا ... جب ملتان پہنچے تو وہاں پولیس کے سپاہیوں
سے ایک ہدایت پر دستخط کرائے گئے جس کا مطلب یہ تھا کہ ملزم کو شہر میں نہ لے جایا جائے اور تمام دن کہاں
اسٹیشن پر پولیس مجھے ڈیرہ غازیخاں جیل لے گئی۔ یہاں کا حصہ بڑا لمبا چوڑا ہے جس کو میں مختصر طور پر تحریر کرتا

سخت غلیظ اور بھپھڑوں سے بھری ہوئی ہیں۔ دوسرے قیدیوں کو تو ایک ہفتہ قید تنہائی میں رکھا
جاتا تھا۔ مگر مجھے پندرہ پندرہ دن تک رکھا گیا۔ اتنے میں انسپکٹر جنرل کے آنے کی خبر اڑی
اور سولہویں دن مجھے تنہائی کی کوٹھریوں میں سے نکال کر یورپین وارڈ میں جگہ دیدی گئی۔

ایک روز میں اپنے کمرے میں بیٹھا تھا کہ جیلر آیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ "جب میں آیا کروں یا
پاس سے گذروں تو کھڑے ہو جایا کرو"۔ میں نے کہا کہ تم نے میرے ساتھ ایسی بے انصافی کا
سلوک کیا ہے کہ تمہارے لئے میرے دل میں کوئی عزت نہیں اس لئے میں کھڑا نہیں ہونگا۔
سپرنٹنڈنٹ جب میرے پاس آیا تو میں نے اس سے کہا کہ میں بطور ایک [illegible] آدمی کے تمہاری
عزت کرتا ہوں نہ کہ سپرنٹنڈنٹ کے لیکن میں جیلر کے لئے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اس پر سپرنٹنڈنٹ
ناراض ہو کر چلا گیا۔ اور بعد میں مجھ پر یہ الزام لگا کر میں نے بادشاہ کو گالی دی۔ مجھے پھر تنہائی
کی کوٹھری میں بھیج دیا گیا۔ اگلے روز جیلر پھر آیا۔ وہاں آ کر اس نے مجھے گالیاں دیں اور ٹھڈے
پسلیوں پر مارا۔ اگلے روز پھر سپرنٹنڈنٹ آیا اور میں نے اس سے کہا کہ تم نے مجھ پر جھوٹا الزام
کیوں لگایا ہے کہ میں نے بادشاہ کو گالی دی۔ اگرچہ میں نے کل نہیں کہا تھا تم اسے گستاخی سمجھتے
ہو تو گستاخی کرنے کا الزام مجھ پر لگاؤ مگر یہ نہیں کہنا کہ تم نے بادشاہ کو گالی دی۔ جب میں نے
سپرنٹنڈنٹ سے جیلر کی مار پیٹ کی شکایت کی۔ تو جیلر صاف مکر گیا۔ اور اس نے کہا کہ میں نے
تو اس کے جسم کو چھوا تک بھی نہیں۔

تین دن تک مجھے بخار چڑھا رہا۔ مگر کسی ڈاکٹر نے میری خبر تک نہیں لی۔ چوتھے دن
سپرنٹنڈنٹ مع جیلر اور ڈاکٹر کے میرے پاس آیا اور اس نے مجھے ہسپتال بھجوا دیا۔ دو دن
کے بعد میرا بخار اتر گیا لیکن میں سخت کمزور ہو گیا اور سپرنٹنڈنٹ نے مجھے تنہائی کی کوٹھری
میں بھیج دیا۔ ہسپتال سے واپس آنے کے تین دن بعد مجھے رہا کر دیا گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ
کس طرح اور کیوں؟

میری کہانی تو ختم ہوئی لیکن میں اوروں کی سرگذشت کا بھی کچھ ذکر کروں۔ تو میں اپنے
فرض سے قاصر رہوں گا۔ لکھنؤ میں پولیٹیکل قیدیوں کو دو مہینے بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ
تک قید تنہائی میں رکھا جاتا ہے۔ انہیں تازہ ہوا تک بھی سانس لینے کو نہیں ملتی جیلر انہیں

گالیاں دیتا اور ٹھوکریں مارتا ہے۔ اس طرح جب کہ بدترین سے بدترین مجرم میں ایک ہفتہ
سے زیادہ قید تنہائی میں نہیں رکھے جاتے۔ پولیٹیکل قیدیوں کو لگاتار مہینوں تک قید تنہائی
میں رکھا جاتا ہے۔ مصرا کے چھوٹے من موہن کی چھاتی پر زخم تھا مگر پھر بھی انہیں قید تنہائی
میں رکھا گیا۔ اور وہاں سے چکی پیسنے کی پوری پوری مشقت لی گئی۔ جس سے یہ زخم بڑھتا گیا
اور وہ ایسے کمزور ہو گئے کہ پندرہ منٹ سے زیادہ کھڑے نہیں رہ سکتے۔ مگر یہ بدسلوکی برابر
ان کے ساتھ جاری ہے۔ جب میں پولیٹیکل قیدیوں کے ساتھ اس بدسلوکی کا جو لکھنؤ جیل میں
ہوتی ہے خیال کرتا ہوں تو مجھے پنجاب کے ایام مارشل لا کے حالات جو کہ میں نے دیکھے
ہیں۔ یاد آتے ہیں۔ اور صرف وہی لکھنؤ سنٹرل جیل کی مصائب سے کچھ شاید معلوم ہوتے ہیں

داستان جیل

(سردار سیدر سنگھ جی ببر اکالی کی زبانی۔)

۲۱ اپریل ۱۹۲۱ء کو مجھے قید کا حکم سنائے جانے کے بعد ہتھکڑی لگا کر ضلع کی حوالات میں رکھا گیا۔
وہاں دو دن سے ناک میں دم تھا۔ پھر عام رواج کے مطابق مجھے بھی اس بند گاڑی میں جو قیدیوں کی گاڑی کہلاتی
ہے بھیڑ بکریوں کی طرح بھر کر جیل میں بھیجا گیا۔ جیل میں ایک چکی والی کوٹھری میں جس میں سوائے دروازہ
کے کوئی روشندان نہ تھا۔ بند کیا گیا۔ وہاں میں نے اور بھی سب ڈرایا۔ فقیر ... سرجان ...
ایک کالی وردی والے کو بلوا کر ٹٹی وغیرہ اٹھوانے کو کہا گیا لیکن وہاں میری کون سنتا تھا۔ ان ایام میں
سپرنٹنڈنٹ صاحب جیل کے کسی دوست ... ہوئے۔ ان سے میں آ کر کہا کہ آج پرچے سے
آئینگے۔ روٹی کچی اور ساگ بھی کے اٹے ہوئے پتے کھانے کو ملتے تھے۔

اسی کو ایک کالی وردی والے نے کہا کہ تمہارا چالان ہے۔ ڈیوڑھی میں چلو۔ وہاں پاؤں میں
بیڑی اور ہاتھ میں ہتھکڑی لگائی گئی۔ اور پولیس کے حوالے کیا گیا۔ جیل سے لاہور سٹیشن تک پیدل لایا
گیا۔ لاہور سے سوار ہو کر دوسرے دن خاری گھاٹ میں اترے۔ خاری گھاٹ سے ... میل کی پیدل
مسافت ... کا راستہ۔ گرمی کی ... اور دو من بیڑیاں۔ ٹانگہ وغیرہ کا کوئی انتظام نہ کیا گیا تھا